(اس پرچہ میں جس قدر مضامین شائع ہو رہے ہیں ان سب کا کاپی رائٹ بحق "عصمت" محفوظ ہے)

رسالہ عصمت دہلی

سینتیسواں سال	مئی ۱۹۴۵ عیسوی	جلد ۷۴ نمبر ۵

فہرست مضامین

چندہ سالانہ پیشگی (مع محصول ڈاک) پانچ روپیہ۔ بذریعہ وی پی سوا پانچ روپیہ۔ ممالک غیر سے دس شلنگ
امراء سے دس روپیہ رؤسا سے پچیس ۲۵ روپیہ والیان ریاست سے سو روپیہ

باہتمام رازق الخیری اڈیٹر پرنٹر پبلشر محبوب المطابع دہلی میں چھپ کر دفتر عصمت کوچہ (چیلان) دہلی سے شائع ہوا

تنقید ۱۹۲۹ — جہیز کی تشہیر اور رُونمائی

از حضرت علامہ راشد الخیری رحمۃ اللہ علیہ

مسلمانوں کی وہ ذلیل اور لغو رسمیں جن کا تعلق صرف عورت کی ذات سے ہے، باوجود تعلیم کی روز بروز ترقی کے ابتک کسی نہ کسی طرح اپنی صورت دکھا رہی ہیں۔ لڑکی کی شادی کے وقت ماں باپ کی یہ خواہش کہ وہ جو کچھ جہیز کے طور پر بیٹی کو دے رہے ہیں دوسروں سے اس کی داد لیں یقیناً ناجائز ہے بیٹی کو جہیز دینے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ تمام کنبہ برادری، محلہ اور قوم کو ممنون کر دیا۔ جہیز کی تشہیر اور وہ بھی اس طرح کہ آگے آگے دولھا میاں گھوڑے پر، پیچھے پیچھے پالکی میں دُلہن اور دُلہن کے پیچھے جہیز اور وہ اس طرح کہ کھانچی میں فقط ایک ڈھکنا ہی رکھا ہوا ہے سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا معنی رکھتا ہے۔ اور یہ رسمیں مسلمانوں میں کب ختم ہوں گی۔

اسی طرح دوسری عورتوں کا جہیز دیکھنا بھی انتہائی درجہ معیوب ہے۔ ایک لڑکی شادی ہونے کے بعد سسرال آتی ہے۔ اس کے ماں باپ اپنی حیثیت کے موافق جو میسر ہوتا ہے بیٹی کو دیتے ہیں مگر یہ نہیں معلوم ہوا کہ دوسروں کو اس کے معائنہ کا حق کہاں سے حاصل ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ دیکھنے والی بیبیاں اور بالخصوص مسلمان عورتیں اتنی شریف طبیعت تو ہو نہیں سکتیں کہ اگر کسی غریب ماں نے بدرجہ مجبوری کوئی کسر چھوڑ دی ہے تو اس کو اپنے پاس سے پورا کریں۔ ہاں ان کی زبانوں پر خواہ کتنا ہی بہتر سے بہتر جہیز کیوں نہ ہو ضرور آئے گا کہ ٹھپّا پڑا ہے، پیک میلی ہے، دوپٹہ کچھ پہلے کا رکھا ہوا ہے۔ جہیز دیکھنے کے معنی اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتے کہ اس رسم میں ایک قسم کی رشک و حسد کی جھلک نمودار ہوتی ہے کہ اگر جہیز کم اور کمتر ہوا ہے تو کمینہ طبیعتوں کو ایک قسم کا سکون ہو جائے۔ اس کے سوا جہیز کا اس طرح سے دیکھنا اور کوئی معنی نہیں رکھتا۔

مسلمان لڑکیوں کو اچھی طرح معلوم ہے کہ آپس میں ایک دوسرے سے ملاقات کے موقع پر کسی ایک لڑکی کا دوسری سے یہ پوچھنا تمہارے میاں کی آمدنی کتنی ہے یا تنخواہ کیا ہے بہت ہی معیوب سمجھا جاتا ہے۔ کسی کے اندرونی حالات سے کسی کو کیا واسطہ نہ یہ کہ جہیز کے کپڑے وغیرہ کی اس طرح جانچ پڑتال ہو کہ ایک ایک رومال اور چیتھڑا جانچا جائے۔

اسی سلسلہ میں ایک اور متنازع رسم "رونمائی" ہے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں نے اپنے بچپن میں سنا تھا کہ بقرعید کے موقع پر بکروں کو رات بھر چھریاں دکھائی دیتی ہیں کہ فرشتہ صبح کو آ کر ذبح کریں گے۔ رُونمائی کی رسم بھی اسی قبیل کی ایک رسم ہے کہ دُلہن بیچاری رات بھر اسی مصیبت میں صبح کرتی ہوگی۔ کہ کل میرے حسن کا جو امتحان ہونے والا ہے۔ خدا معلوم میں اس میں کامیاب ہوں یا ناکام۔

غضب یہ کہ بے چاری کا امتحان اس مضمون میں لیا جاتا ہے۔ جس کا اس سے کوئی واسطہ نہیں۔ اس نے نہ اپنی صورت خود بنائی ہے۔ نہ رنگ کی پیدا کرنے والی وہ آپ ہے۔ نہ آنکھ ناک کا تغیّر اُس کے ہاتھ میں ہے جو مرد یا عورتیں آج ایک نئی دُلہن کی رُونمائی کو جائز سمجھتے ہیں۔ وہ ذرا معاملہ کے اس پہلو پر بھی غور بھی غور فرمائیں کہ اگر یہی دُلہن جس کے اعضاء کا وہ ملاحظہ فرما رہے ہیں، اپنا دوپٹہ ان کے منہ پر ڈال کر ان کی رُونمائی کرنے لگے۔ تو وہ مضمونِ حسن میں کہاں تک کامیاب ہوں گے۔

مجھے امید ہے کہ عصمتی بہن اس مضمون پر پوری توجہ کریں گی۔ کہ یہ ذلیل رسمیں ان کی معاشرت سے جس قدر جلد ممکن ہو فنا ہو جائیں۔

سنہ ۱۹۲۹ء

(شادی کا انتخاب)

خواتین کی معاشرتی آزادی

گزشتہ ماہ کے پرچہ میں ڈاکٹر سہروردی صاحبہ کا ایک مضمون بعنوان "محبت کی شادی" شائع ہوا ہے۔ جس میں انہوں نے لڑکیوں کو ازدواجی معاملات میں آزادی دینے پر بحث کی ہے۔ اُن کے مقالہ کا زیادہ تر حصہ والدین کی غیر مستقل مزاجی سے متعلق ہے یعنی پہلے والدین لڑکیوں کو آزادی کی فضا میں نقل و حرکت کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔ اور جب وہ ماحول سے متاثر ہوکر اپنے شوہر کا انتخاب خود کر لیتی ہیں تو ان کے انتخاب میں حائل ہوکر ان کی زندگی کو اجیرن بنا دیتے ہیں۔ اور اُن کو کہیں کا نہیں رکھتے۔ مگر جب ہم ڈاکٹر صاحبہ کے اعتراض کو ہندوستان کی معاشرتی حالت کے پس منظر میں دیکھتے ہیں۔ تو ہمیں والدین کی یہ غیر مستقل مزاجی ہمارے معاشرتی طرز عمل کا منطقی نتیجہ معلوم ہوتی ہے۔ اس وقت ہندوستان سیاست کی طرح تمدن کے میدان میں بھی ایک عبوری دور سے گزر رہا ہے۔ ہم معاشرتی اصولوں کی دو دنیاؤں کے درمیان کھڑے ہوئے ہیں۔ ایک قریب قریب مُردہ ہو چکی ہے۔ اور دوسری میں ابھی پورے طور سے اُبھر آنے کی طاقت پیدا نہیں ہوئی ہے۔ یہ عبوری دور ہندوستان کے لئے کوئی خاص چیز نہیں ہے۔ ہر ملک اور ہر قوم کو اپنی تاریخ کے کسی حصہ میں اس دور سے گزرنا پڑا ہے لہذا تمام اقوام عالم نے اس دور میں معاشرتی انتشار (Social Chaos) کا سامنا کیا ہے۔

انگریزی ادب کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ انگلستان کے تمدنی نظام میں بھی خواتین کسی مستقل حیثیت کی مالک نہیں رہی ہیں۔ سترہویں صدی عیسوی میں جس کو ملکہ الزبتھ کا دور کہا جاتا ہے۔ انگریز عورت زیادہ وفا شعار ہوتی تھی۔ اور اس کی زندگی کا واحد نصب العین شوہر کی عظمت کو فروغ دینا ہوتا تھا۔ چنانچہ اُس زمانہ کے ڈرامہ نگار شکسپیئر نے اپنے ڈرامہ "میکبتھ" کی ہیروئن کو ایلزبیتھی عورت کے مخصوص رنگ میں پیش کیا ہے۔ لیڈی میکبتھ کی واحد تمنا یہ تھی کہ اس کا شوہر کسی نہ کسی طرح بادشاہ ہو جائے اور اس مقصد کی تکمیل کے لئے وہ بدترین جرم کے ارتکاب کو بھی جائز سمجھتی تھی۔ یہ سب اس لئے نہ تھا کہ وہ ملکہ کہلائے بلکہ صرف اس لئے کہ اس کا شوہر بادشاہ ہو جائے کیونکہ وہ شوہر کی تاجپوشی کو اپنی زندگی کی آخری تمنا سے تعبیر کرتی تھی۔ چنانچہ اس کی یہ تمنا بادشاہ وقت کے قتل کی شکل میں ظاہر ہوئی۔ اسی طرح شوہر کے انتخاب کے معاملہ میں سارا اختیار باپ کو ہوتا تھا۔ چنانچہ شکسپیئر کے ڈرامہ "ٹمپیسٹ" کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پراس پیرو اس وقت تک اپنی لڑکی مرانڈا کی شادی فرڈی نند کے ساتھ نہیں کرتا جب تک کہ اُسے اس بات کا پورا یقین نہیں ہو جاتا کہ ان دونوں کی محبت نوجوانی کا ایک رنگین مشغلہ ہی نہیں ہے بلکہ اس میں کچھ استقامت اور گہرائی بھی پائی جاتی ہے۔

لڑکیوں میں حجاب اور شرم کی عادت بھی کافی حد تک ہوتی تھی۔ جیسا کہ شکسپیئر نے اپنے ڈرامہ "ویرونا کے دو شریف اشخاص" میں ظاہر کیا ہے۔ جب لیوسیٹا کے پاس اس کی خادمہ سر ولینٹائن کا خط لاتی ہے تو وہ اُس پر سخت ناراض ہوتی ہے مگر جب وہ خط لے کر واپس ہو جاتی ہے تو لیوسیٹا بہت ملول خاطر ہو کر کہتی ہے کہ خادمہ یہ جانتی ہے کہ میں لڑکی ہوں۔ اور لڑکیاں ایک بات کو دل میں پسند کرنے کے باوجود بظاہر شرم کی وجہ سے انکار کر دیتی ہیں مگر اس پر بھی بے وقوف خادمہ نے مجھے زبردستی خط دینے کی کوشش نہیں کی۔ وہ اپنی مصنوعی ناراضگی کے متعلق خود کہتی ہے

"How angerly I taught my brow to frown when inward joy enforced my heart to smile" یعنی میں نے کتنے غصے کے ساتھ اپنی ابروؤں کو خشمگیں بنانا سکھایا جبکہ ایک باطنی مسرت میرے دل کو تبسم ریز کر رہی تھی۔

لہٰذا سترھویں صدی تک انگلستان کی خواتین میں بھی شوہر کی اطاعت، ازدواجی مسائل میں والدین پر انحصار، اور نسوانی حجاب کی وہ خصوصیات موجود تھیں جو مشرقی خواتین کا جوہر سمجھی جاتی ہیں۔ مگر اٹھارھویں صدی اپنے ساتھ ایک نئی فضا لے کر آئی۔ خواتین نے ملک کی معاشرتی زندگی میں آزادانہ طور پر حصہ لینا شروع کیا اور انگریزی ملبوس کی بجائے پیٹی کوٹ زیب تن کرنا شروع کئے۔ چنانچہ ہم اس زمانہ کے مشہور معاشرتی نکتہ چیں اڈیسن کو خواتین کی اس عریانیت پسندی کے خلاف مضامین لکھتا ہوا پاتے ہیں۔ وہ اپنے ایک مقالہ میں لکھتا ہے کہ عورت قدرت کی حسین ترین مخلوق ہے۔ اور ہمیں چاہئے کہ ہم اس کی زیب و زینت میں اضافہ کرنے کے لئے کوہستانوں سے جواہرات اور سمندروں سے موتی تلاش کر کے لائیں مگر جہاں تک پیٹی کوٹ کا تعلق ہے میں اس کے استعمال کی ہرگز اجازت نہیں دے سکتا۔ اسی طرح آج کل ہندوستان کے معاشرتی مصلحین کی آواز بھی اڈیسن کی صدائے بازگشت معلوم ہو رہی ہے اور ہندوستانی خواتین انگلستان کی اٹھارھویں صدی کی خواتین کی طرح اپنی نسوانی خصوصیات سے کنارہ کش ہو کر معاشرتی میدان میں قدم رکھنا چاہتی ہیں۔ پرانا نظام رخصت ہو کر نئے نظام کو اپنی جگہ دے رہا ہے اور جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے ہم نئے اور پرانے معاشرتی اصولوں کی دو دنیاؤں کے درمیان کھڑے ہوئے ہیں۔ کچھ پرانے اصول اب تک قائم ہیں اور کچھ رخصت ہو چکے ہیں۔ چنانچہ والدین نے بھی اگرچہ زمانۂ حال کی معاشرتی زندگی میں اپنی لڑکیوں کو پوری آزادی دے دی ہے۔ مگر مستقبل کا فیصلہ محفوظ رکھا ہے۔ کیونکہ وہ آنے والے دور سے پوری طرح مطمئن نہیں ہیں۔

محمد مرغوب ایم۔ اے

ماں کی التجا

میں ایک معزز خاندان کی فرد ہوں۔ جب میری شادی ہوئی میری عمر ۱۹ سال کی تھی۔ میرے شوہر جہلم۔ خدا بست وکیل ہیں۔ میری شادی کے ڈیڑھ سال بعد خدا نے لڑکا دیا۔ پھر یکے بعد دیگرے چار لڑکے اور چار لڑکیاں ہوئیں۔ خدا کے فضل اور میرے شوہر کی نیک نیتی سے روز افزوں اضافہ آمدنی میں ہوتا گیا۔ ہماری زندگی ایک نمونہ تھی جس میں خوشی اور خوشحالی کا دور دورہ تھا ماں باپ زندہ تھے۔ شادی کے بعد ۲۰ سال اس طرح گزرے کہ دن عید اور رات شب برات کہوں تو بے جا نہ ہوگا مگر زمانے نے رنگ بدلا والدین کا انتقال ہو گیا بچے تعلیم پا کر ملازمت کی جستجو میں سرگرداں رہے اور چار بچے فوج میں نوکر ہو گئے اور خدا کے فضل سے بہت جلد ترقی کے زینے طے کرتے ہوئے درجہ بدرجہ لفٹننٹ کیپٹن میجر ہوئے کہ جنگ چھڑ گئی اور فوج دریا پار جانے کے لئے ہندوستان سے روانہ ہوئی۔ حیدرآبادی فوج میں میرے دو لخت جگر بھی دریا پار ایک مشرق اور دوسرا بجانب مغرب روانہ ہوئے ایک نور چشم سقوط سنگاپور کے باعث اسیرانِ جنگ میں شامل ہو گیا جس کو تخمیناً ۳ سال سے زائد ہو گیا ہے۔ جس ماں کا دل اپنے لختِ جگر کو دیکھ کر پھولا نہ سماتا تھا۔ آج اس کی پیاری صورت دیکھنے کے لئے تڑپ رہا ہے۔

عصمتی بھائی اور بہنوں سے التجا ہے کہ اپنی ممتا کا صدقہ جملہ اسیرانِ جنگ کی رہائی کے ساتھ میرے لال کی رہائی کی دعا کریں خدا تمہاری ممتا ٹھنڈی رکھے اور میری زندگی میں میرے نورِ نظر آ کر میرے کلیجہ سے چمٹ جائیں آمین بحرمت سید المرسلین

مسز قادر جہلم،

دل ہی تو ہے!

وہ قابلِ رحم ضرور تھا لیکن اُس کی بھیانک صورت دیکھ کر اکثر میرا دل لرز جاتا تھا کبھی وہ چوکیداری کا کام انجام دیتا تھا لیکن اب... اب اس کے ہاتھ پاؤں سب بے کار ہو چکے تھے۔ اس کی مالکن مس گریس خدا ترس خاتون تھیں جن کی مہربانی سے وہ اب تک اسی کوٹھری میں رہتا تھا جہاں اس نے جوانی میں ننوا کی ماں کے ساتھ پہلی مرتبہ قدم رکھا تھا۔ وہ بہت بڑھا ہو چکا تھا اس کی پشت پر اونچا سا کُب نکل آیا تھا۔ اور ایک آنکھ ننوا کی ماں کی یاد میں کب کی ختم ہو چکی تھی۔ اس کے لمبے لمبے بال جونے کی رسی کی طرح بل کھا کر عجیب طرح سے اس کی کھوپری میں چپکے رہتے تھے اور جسم ——— وہ تو کسی پرانی قبر کا پتھر بن کر رہ گیا تھا جس پر وہ دن میں کئی مرتبہ بھر بھر مٹھی چلم کی راکھ مل لیتا تھا۔ شاید یہ بدبودار راکھ مل کر اسے کچھ اطمینان قلبی ہو جاتا ہو گا۔ علی الصبح جب ایک چڑیا دردناک آواز میں الاپتی ہوتی۔ وہ اپنی جھونپڑی کے سامنے ناہموار چبوترہ پر آ بیٹھتا اور آس پاس کے مکانوں کی طرف منہ کر کے للچائی ہوئی نظروں سے مچر مچر دیکھتا کہ شاید کوئی اللہ کا بندہ صبح سویرے اس کے واسطے رات کا بچا کھچا کھانا لے کر آتا ہو گا۔ حالانکہ اس کی مالکن مس گریس اپنے کھانے سے پہلے اس کے واسطے کھانا اور چار خود دے کر آتیں۔ اور اس کی لُٹیا میں پانی ڈال جاتیں پھر بھی وہ دن بھر اکیلا بیٹھا مختلف کھانوں کے نام لیتا۔ بھنے ہوئے چٹ پٹے گوشت کا ذکر کرتا۔ اور ٹھنڈا سانس بھر کر کہتا "ننوا کی ماں تو ایسے مزے کا گوشت بناتی تھی کہ آس پاس کے سارے پڑوسیوں کی رال ٹپک پڑتی تھی۔" اور ساتھ ہی اس کی رال بہہ کر ٹھوڑی تک آجاتی۔

وہ تیز ہواؤں اور نمناک ابر میں بڑے مزے سے بیٹھا رہتا۔ اور جب کڑاکے کی دھوپ پڑتی تو وہ اپنی کُبڑی پیٹھ سورج کی جانب کر دیتا۔ شاید وہ سورج کی تمام شعاعیں اکھٹی کر کے اپنے کُب میں جذب کر لینا چاہتا تھا۔ اور جب شام ہو جاتی تو وہ پھر اپنی گودڑی سنبھال کر جھونپڑی میں گھس جاتا۔ جہاں اُس کی ساتھی دو بھینسیں اور ایک گائے ساری رات اپنی گردن کی گھنٹیوں کو ہلا ہلا کر اس کے واسطے ساز اور موسیقی سے ملی جلی آوازیں پیدا کر دیتیں جب تک وہ جاگتا ان گھنٹیوں کی آواز بڑے انہماک سے سُنتا۔ اور جب نیند کی دیوی اس کی ایک آنکھ کو بھی دبا کر سُلا دیتی تو اس کے منہ سے خرخر اور کبھی پھک پھک ایسی آوازیں نکلتیں۔ جیسے کوئی بچہ خالی شیشی میں پھونک مار کر سیٹی بجانے کی کوشش کر رہا ہو۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ وہ سوتے سوتے چپڑ چپڑ اپنی انگلیوں کو چاٹنے لگتا۔ بھنے ہوئے گوشت اور چٹ پٹے کھانوں کی خوشبوئیں اس کے دماغ میں دوڑ جاتیں۔ وہ بلبلا کر اٹھ بیٹھتا اور اندھیرے گھپ میں خواب میں دیکھے ہوئے کھانوں کی پلیٹیں ٹٹولنے لگتا۔ یہاں تک کہ وہ سرکتے سرکتے گائے بھینسوں کی طرف چلا جاتا۔ اور اس کے لیکپاتے ہوئے ہاتھ گوبر اور کیچڑ میں لت پت ہو جاتے۔ وہ تقریباً روزانہ مزے دار کھانے اور ننوا کی ماں کو خواب میں دیکھتا۔ ایک دن تو اس نے سوتے میں ننوا کی ماں کی موٹی موٹی گداز کلائیوں کو پوری قوت سے پکڑ لیا تھا لیکن جب وہ بیدار ہوا دونوں بھینسوں کی دُمیں اس کی مٹھیوں میں تھیں۔

گاؤں کے شریر چھوکرے اس کو اکثر پریشان کرتے۔ دو تین تھالیاں ہاتھ میں لے کر آ پہنچتے اور ان میں سے ایک آگے بڑھ کر کہتا "چوکیدار تمہاری سگائی

ہوئی ہے۔ لیو یہ لڈو کھاؤ گے؟"

بوڑھا اپنی چمچپاتی آنکھ کو مل کر بےتابی سے کہتا "ہاں حجور ہم کھائیں گے!" ان میں سے ایک کہتا "پھر ہمارے ہاتھ سے کھاؤ۔ چوکیدار ذرا منہ کھولو۔"

بوڑھے کی پوپلی کلیا پھک سے کھل جاتی، چھوکرے لمبے ٹھٹھے لگاتے اور بوڑھا اپنے منہ سے مٹی کا لوندا نکال کر آخ تھو اخ تھو کرتا۔ سارے حلق کو کھرچ ڈالتا اور یہ بےہودہ پارٹی بےفکری کے قہقہے لگاتی چل دیتی۔

اس کے پاس ہی ایک جھونپڑی میں کلوا بنئے کی دھین دھوکڑ ودھوا مالتی رہتی تھی۔ اور جب یہ بےتمیز لڑکے بوڑھے کو ستاتے تو وہ اپنی گول گول آنکھیں مٹکا کر کہتی "نمک حرام کہیں کا ڈھیروں کھانا تو مس صاحب کھلاتی ہیں۔ پر اس کی دوزخ ہی نہیں بھرتی اور اس پر یہ سندر دیوی کے سپنے دیکھتا ہے۔ بدجات کہیں کا" اور پھر وہ دو چار عورتوں میں بیٹھ کر بوڑھے چوکیدار کا خوب مذاق اڑاتی۔ ایک دن اس نے اپنی ہجولی عورتوں سے کہا کہ آج میں اس ڈوکرے سے کہوں گی مجھ سے سادی کر لے۔ پھر دیکھو کیا کہتا ہے۔ تم لوگ اوٹ میں کھڑی ہو کر دیکھنا۔ اس تجویز پر سب عورتیں منہ میں تپو ٹھونس کر ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو گئیں۔

صبح سویرے جب بوڑھا چوکیدار جھونپڑی سے نکل کر چبوترے پر اپنا کٹ سینکنے کے لئے بیٹھا تو کلوا بنئے کی عورت جھومتی جھامتی، ہتنی کی طرح چھم چھم کرتی چوکیدار کے پاس آئی۔ چوکیدار ننوا کی ماں کا ذکر کر رہا تھا۔ مالتی بوڑھے کے پاس ہی پالتی مار کر بیٹھ گئی اور اس نے بڑے جوش اور گرج دار آواز میں پوچھا۔

"چوکیدار! سادی کرو گے؟"

بوڑھے نے اوں اوں کر کے گلا صاف کیا اور بڑے اشتیاق سے کہا: "ہاں حجور! پر کس سے سادی کروں؟" اس نے اپنی چمچپاتی آنکھ اس کے چہرہ پر جما دی۔ "ارے مجھ سے کرے گا سادی بول!"

فوراً جذبات میں بوڑھا اچھل پڑا۔ "تم سے ..." "تم سے ہاں حجور تم سے تو جرور سادی کروں گا۔"

"بدمعاس کہیں کا" مالتی نے بوڑھے کے پچکے ہوئے گال پر ایک چانٹا رسید کیا۔ وہ حقہ کے اوپر جا کر گرا اور مالتی ہنستی ٹھٹھے لگاتی اپنی ہجولیوں کے گلے میں ہاتھ ڈال کر دوہری ہو گئی۔ بوڑھا تھوڑی دیر تو اپنا کلا سہلاتا رہا۔ اور پھر اس کی اکلوتی آنکھ میں مالتی کا چہرہ ناچنے لگا۔ اور وہ اپنا کٹ دیوار سے لگا کر کسی رنگین تخیل میں کھو گیا۔

آج بوڑھے چوکیدار کی مالکن بخار میں پڑی تھی رات ہو چکی تھی۔ اور چوکیدار بھوک سے اپنا پیٹ مٹھیوں سے پکڑ پکڑ کر مروڑ رہا تھا۔ دفعتاً کسی کے پاؤں کی چاپ گھنگھروؤں کی چھما چھم کے ساتھ سنائی دی اور بوڑھے نے اپنا کان دروازہ کی جانب لگا دیا۔

گھنگھروؤں کے دلکش ساز نے بوڑھے کے مڑے اور ڈھیلے پردوں کو ایک دم جھن جھنا دیا۔ مہراجن جھونپڑی میں داخل ہوئی۔ اور اس نے کڑاکے کی آواز لگائی۔

"چوکیدار!"

"ہاں حجور!" بوڑھے کی ٹھوڑی اور ہونٹ کپکپا گئے

"لو اپنی روٹی۔ آج مس صاحبہ بیمار ہیں۔ اس لئے وہ نہیں آئیں۔"

"پر تم تو آ گئیں مہراجن، تم بڑی اچھی ہو۔ تم بڑی اچھی ہو۔ تم ہی روج آیا کرو۔"

بوڑھا لنگور کی طرح مہراجن کے پاؤں پکڑے ہوئے تھا!

آمنہ نازلی

دیہاتی لڑکی سے

گاؤں کے تالاب میں جیسے کنول کا پھول ہو
تیری آنکھوں میں ہے یوں ہنستا ہوا عصمت کا نور
رات کو آنگن میں تیرے چاندنی جیسے کھلے
عارضِ سادہ پہ تیرے شرم کا دلکش ظہور
روشنی جیسے سحر کی ہو فضائے باغ میں
تیری پیشانی پہ رخشاں پاکبازی کا غرور
فخر تھا تجھ پر کبھی تیرے وطن کی خاک کو
لوگ کہتے تھے تجھے صدق و صفا کی ایک حور
ناز تھی معصومیت کا سادگی کی جان تھی
ظلمتیں تیرے تبسم سے کبھی ہوتی تھیں دور

آج بھی ہے آسماں تیرا وہی تیری زمیں
شام کے آنچل پہ اب بھی ہیں ستاروں کے نگیں
تیری چشمِ سرمگیں میں ہے وہی جادو مگر
کیا چھلکتی اب بھی ہے ساغر میں صہبائے کہن
پھول کے پیراہنِ رنگیں میں ہے خوشبو ابھی
جگمگاتی ہے اندھیرے میں کوئی اب بھی کرن
وہ سہانا گیت جو صدیوں تلک گاتی رہی
کیا وہی نغمہ ترے ہونٹوں پہ ہے روحِ چمن
گاؤں کی راہیں ابھی تہذیب نے موڑیں نہیں
ہے وہی پاکیزگی کیا؟ رسمِ الفت کا چلن
ہاں کسی پنگھٹ پہ جب نظریں اٹھاتی ہے کبھی
اب بھی ہوتے ہیں فرشتے کیا وہاں سایہ فگن
جھونپڑوں میں کوئی جلتی ہو دیئے کی لو کے تھا
چھو نہیں پاتا ہواؤں کا جسے بیباک ہاتھ

نوشابہ قدوائی

مژدۂ امن

کوئی دن میں انقلاب آسماں ہونے کو ہے!
فتنہ زارِ دہر میں امن و اماں ہونے کو ہے!
ظلم اور ظالم کی ہستی بے نشاں ہونے کو ہے!

گلشنِ ہستی میں آنے کو ہے پیغامِ بہار
ہر کلی ہر پھول بن جانے کو ہے جامِ بہار
ذرّہ ذرّہ اس چمن کا گلفشاں ہونے کو ہے!

آئینہ زارِ فلک، صورت نئی دکھلائے گا!
پھر غم آبادِ جہاں میں عیش کا دور آئے گا!
پھر مسرت، زینتِ بزمِ جہاں ہونے کو ہے!

دہر سے سفّاکی و وحشت فنا ہو جائے گی!
جنگ کی پُر فتنہ ظلمت بادِ پا ہو جائے گی
مطلعِ ہستی پہ، صبحِ نو، عیاں ہونے کو ہے!

پھر زمیں محفوظ ہوگی، ظلم و استبداد سے!
توں نہ روئے گا زمانہ، شیوۂ بیداد سے!
خندۂ صبحِ طرب، جنّت فشاں ہونے کو ہے!

اک نظامِ نو، پیامِ زندگی لائے گا پھر
دہر میں امن و اماں کے پھول برسائے گا پھر
یہ جہانِ کہنہ اختر پھر جواں ہونے کو ہے!

اختر شیرانی

سبزیوں کو بوتلوں اور ڈبّوں میں بند کرنا

اس سے پہلے میں پھلوں کو بہ حفاظت ڈبوں میں بند کر کے رکھنے کا طریقہ لکھ چکی ہوں۔ امید ہے عصمتی بہنیں اس سے مستفید ہونے کی کوشش کریں گی۔ اور گھر پر ہی ایسے ڈبے تیار کر کے اس ہولناک گرانی کے زمانہ میں اپنے روپے کو محفوظ رکھیں گی۔ اور ساتھ ہی ایک موسم کی سبزی کا لطف دوسرے موسم میں حاصل کریں گی۔

بند کرنے کے لئے ہمیشہ اس قسم کی سبزی انتخاب کرنی چاہئے۔ جو صاف ستھری اور عمدہ قسم کی ہو گلی سڑی ہوئی نہ ہو۔ جس قسم کی سبزی آپ چاہیں بند کر کے رکھ سکتی ہیں۔ اگر آپ بند کرنے کے لئے مٹریں لیں تو ان کو چھیل کر دانے نکال لینے چاہیں۔ اگر شلغم ہوں۔ تو چھیل کر جڑیں وغیرہ کاٹ کر ٹکڑے کرلیں۔ ٹکڑے آپ کی مرضی پر منحصر ہیں چھوٹے یا بڑے جیسے دل چاہے کرلیجئے۔ لیکن یہ خیال رہے کہ ٹکڑے برابر برابر ہوں۔ یہ نہ ہو کہ ایک تو بہت پتلا ہو اور ایک بڑا ہو۔ بلکہ ایک جیسے ہوں۔ کیونکہ اُبالتے وقت چھوٹے ٹکڑے جلد گل جاتے ہیں۔ اور بڑے دیر میں گلتے ہیں۔ اس لئے برابر ہونے چاہئیں۔ سبزی کو چھیل لینے کے بعد ایک باریک کپڑے مثلاً ململ وغیرہ میں باندھ لیں اور اس پوٹلی کو ابلتے ہوئے پانی میں دو سے لے کر پانچ منٹ تک رکھیں تاکہ سبزی نرم ہو جائے۔ سخت سبزی کو پانچ منٹ تک ابالنا چاہئے۔ اگر نرم ہو تو اس سے کم وقت تک ابالیں کیونکہ نرم سبزی جلد گل جاتی ہے۔ ابالنے کے بعد سبزی کو اسی وقت ٹھنڈے پانی میں ڈال دیں۔ اور ٹھنڈی کرلیں۔

پھر سبزی کو تہ جما کر ڈبوں میں ڈال دیں اور اوپر سے ۲ یا تین فی صدی تیار شدہ نمک والا پانی (Salt Solution) گرم گرم ڈال دیں۔

سولیوشن کے تیار کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اگر دو فی صدی کا تیار کرنا ہو تو ۹۰ حصے پانی میں دو حصے نمک ڈال کر اُبال لیں۔ جب ابلنے لگے تو اتار لیں اور سبزی کے ڈبوں میں ڈال دیں۔ مگر یہ خیال رکھنا چاہئے کہ ڈبہ پورا نہ بھر جائے بلکہ اس کا انچ کا ½ حصہ خالی رہے۔ پھر ان ڈبوں کو ابلتے ہوئے پانی میں دس منٹ تک ابالیں۔ اس کے بعد فوراً ڈھکن بند کردیں۔ بہتر یہ ہے کہ ڈبوں کے ڈھکنوں کو قلعی لگوا کر بند کر دیا جائے۔ تاکہ کسی طرح سے اس میں ہوا کا گزر نہ ہو سکے۔ کیونکہ ہوا کے اندر جانے سے جراثیم اندر چلے جاتے ہیں۔ اور اس طرح سبزی خراب ہو جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ ان بند ڈبوں کو دوبارہ گرم پانی میں ڈال دیں۔ اور ابالیں۔ نرم سبزیوں کو ۳۰ منٹ تک ابالنا چاہتے۔ گر سخت ہوں مثلاً شلغم وغیرہ تو ۴۵ منٹ تک ابالیں۔ ابالنے کے بعد ڈبوں کو ٹھنڈے پانی میں رکھ دیں۔ لیکن بوتلوں کو پانی میں نہیں رکھنا چاہئے۔ بلکہ ٹھنڈی جگہ پر رکھ دیں۔ چونکہ شیشے کے ٹوٹ جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔ ٹھنڈا ہو جانے کے بعد ان ڈبوں اور بوتلوں کو کسی ایسی جگہ رکھیں جو زیادہ گرم نہ ہو۔ لیجئے ڈبے تیار ہیں۔ جب دل چاہے سبزی کو نکال کر استعمال کریں۔

نصیرہ سلطانہ نرگس

عصمت کا سالگرہ نمبر ۱۹۴۵ء

۳۰ جون کو شائع ہوگا

اس کے لئے مضامین ۱۵ مئی تک دفتر میں موصول ہو جانے چاہئیں۔

اڈیٹر

سُکون کی تلاش

مارچ کے عصمت میں ایک مضمون "سُکون کی تلاش" بہت دلچسپ تھا اور تخیّل انگیز بھی۔ صاحبِ مضمون نے عورت کے دو متضاد پہلو دکھائے ہیں۔ عورت کو "سُکون پرور" بھی بتایا ہے اور "سُکون شکن" بھی۔ میں سوچ رہی تھی کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک عورت خود ہی سکون بخش ماحول پیدا کرے اور پھر اُسے توڑ دے۔ اس کا کام تو تعمیر کرنا ہے۔ تخریب نہیں۔ میں انہیں خیالوں میں محو تھی کہ نریجہ کا بڑا لڑکا روتا ہوا آیا اور مجھ سے لپٹ کر کہنے لگا، "خالہ جان! ذرا دیکھئے تو اُمّی کو کیا ہو گیا ہے آنکھیں بند کئے فرش پر پڑی ہیں۔ ہم بُلا بُلا کر تھک گئے اور وہ کچھ کہتی ہی نہیں۔"

دل میں قسم قسم کے خوف اُٹھنے لگے۔ لیکن بچہ کی خاطر انہیں چھُپایا۔ خاموش کیا اور ساتھ ہو لی۔ وہاں پہنچ کر دیکھا کہ نریجہ بیہوش پڑی ہے۔ اور پاس عصمت کا مارچ کا پرچہ کھُلا پڑا ہے وہ بہت کمزور جسم کی مالک تھی۔ نہ جانے یہ لاغر جسم کب زمانے کی تیز لہروں میں بہ جائے جب وہ ہوش میں آئی اور طبیعت سنبھلی تو میں نے کہا: "نریجہ بہن! اپنی صحت کا خیال رکھا کرو۔ یہ بیہوشی کا دورہ دوبارہ نہ ہونے پائے۔ ان بچوں کا تمہارے سوا کون ہے؟"

اس نے میرے الفاظ شائد سنے ہی نہیں۔ جواب میں اس نے عصمت کا پرچہ دیا اور کہا کہ یہ مضمون پڑھو۔

مضمون تھا "سُکون کی تلاش" جو میں پڑھ چکی تھی لیکن اسے خوش کرنے کے لئے پڑھا اور کہا کہ اچھا ہے۔ دماغ سوچ رہا تھا کہ اس مضمون کا نریجہ کے بیہوش ہو جانے سے کیا تعلق ہو سکتا ہے؟

"اچھا بھی ہے اور سچا بھی" اور اُس نے کانپتی ہوئی آواز میں مضمون کے یہ جُملے دہرائے "ازدواجی زندگی میں عورت باعثِ سکون بھی ہو سکتی ہے اور وجہ پریشانی بھی۔ ازدواجی زندگی میں عورت ماں بھی بن سکتی ہے اور بُتِ طنّاز بھی۔ —جب عورت پر جہالت کا دورہ ہوتا ہے تو وہ سُکون شکن بن جاتی ہے کہ مرد کا یا تو خودکشی کر لینے کو جی چاہتا ہے یا عورت کو مار ڈالنے کو حق بجانب سمجھنے لگتا ہے — کاش! وہ مجھے مار ڈالتے۔" تو ان جملوں نے اس پر اتنا اثر کیا کہ وہ بیہوش ہو گئی لیکن وہ ان لفظوں کو بھلا نہ سکی! میری گھبراہٹ اس کی حرکتوں سے بڑھ رہی تھی۔ مکان میں ہم ہی دونوں تھیں۔ اور تین سہمے ہوئے بچے۔ جو دیکھ سب کچھ رہے تھے لیکن سمجھ کچھ نہ سکتے تھے۔

"کون تمہیں مار ڈالتے اور کیوں؟" میں نے گھبراہٹ کو چھپاتے ہوئے پوچھا

"کاش! شاہد مرحوم مجھے مار ڈالتے کیونکہ ان کی ازدواجی زندگی میں میں ایک زبردست سُکون شکن ثابت ہوئی اور سکون کی تلاش میں اُنہوں نے خودکشی کر لی۔"

بچّوں کی آنکھوں کی طرح میری آنکھیں بھی خلا میں تکنے لگیں۔ "کیا باتیں کر رہی ہو؟ تم جیسی اچھی ماں بُری بیوی کیوں کر ہو سکتی ہے؟ اور تم تو کہا کرتی تھیں شاہد کی موت ہیضہ سے ہوئی تھی!"

"تب جھوٹ کہا تھا، اب سچ کہہ رہی ہوں۔ انہوں نے گولی ماری تھی۔ جھوٹ کہا اور کہوں گی۔ کیونکہ میں نہیں چاہتی کہ ان معصوم روحوں کو یہ تلخ حقیقت معلوم ہو جائے کہ ان کو ان کی ماں نے یتیم بنایا ہے۔ بڑے ہوں گے تو میرے چھپائے بھی یہ بات چھُپ نہ سکے گی۔ جانتی ہوں کہ یہ سب جان جائیں گے یہ بھی معلوم ہے کہ مجھ سے نفرت کریں گے اور یہ بھی میرے گناہ کی معمولی سی سزا ہو گی۔ اسے میں خوشی خوشی برداشت کروں گی لیکن جب تک ہو سکے گا ان کے معصوم خیالات

کو اس بات کے علم سے آزاد رکھوں گی۔ اور صبیحہ، تم بھی دوسرے
لوگوں کی طرح یہ سمجھتی ہو کہ میں جتنی اچھی ماں ہوں، اتنی ہی اچھی میں
بیوی بھی تھی۔ کیسی بڑی بھول ہے لوگوں کی! اور محلہ کے سب
شوہر رشک کرتے ہیں۔ شاہد کی قسمت پر۔ وہ زور زور سے ہنسنے لگی۔

فریحہ تین کم سن بچوں کی ماں۔ لاجواب صورت بیوہ ماں تھی ہمارے
سامنے والے مکان میں آئے اسے تین سال ہونے کو آئے تھے
محلے میں ہر ایک اس کا گرویدہ تھا۔ ہر بچہ یہی چاہتا کہ میری امی
بھی زیدی کی امی جیسی ہوتیں۔ اور ہر شوہر سوچتا۔ کتنا بدنصیب
تھا شاہد مرحوم جسے فریحہ کے ساتھ صرف چار سال نصیب ہوئے
آسمان کسی کو ہنستا دیکھ نہیں سکتا ـــــ اور محلے کی بیویاں
جب فریحہ سے ملتیں اور کہتیں "تم میں جانے کیا جادو ہے
ہمارے میاں تمہیں بہترین عورت سمجھتے اور کہتے ہیں کہ آسمان
شاہد کو خوش نہ دیکھ سکا۔" اور فریحہ کا رنگ اور بھی زرد پڑ جاتا
آنکھوں میں آنسو چھلکنے لگتے اور ہلکی سی آہ کر کے رہ جاتی۔ اور
میں دل میں کہتی کہ ایسا ہونا قدرتی ہے۔

فریحہ اور میں فرصت کی گھڑیاں ساتھ گزارتیں۔ اکثر مجھے
اس کے ہاں جانا پڑتا کیونکہ وہ اپنے آپ کو بچوں میں کھو چکی
تھی۔ مجھے اس کی مرجھائی ہوئی خوبصورتی اور اداس زندگی
پر رحم آتا۔ اور جی چاہتا کہ اس کے ماضی کا قصہ اسی کی زبانی
سنوں۔ شاہد تو اس کا گرویدہ ہو گا۔ کبھی میں کچھ پوچھ بیٹھتی
تو اس کا زرد رنگ اور بھی زرد پڑ جاتا۔ اور وہ خاموش اپنی
آنکھیں میری طرف سے پھیر لیتی۔ پھر مجھ میں ہمت نہ رہتی اور
میں۔ اور میں بھی خاموش ہو جاتی۔ لیکن آج اس کے ماضی پر
سے وہ پردے خود بخود اٹھتے نظر آتے تھے۔ میں چاہتی تھی کہ
اٹھیں۔ شاید اس طرح اس دکھیا روح کا بوجھ کچھ ہلکا ہو جائے

"تمہیں میری کہانی سننے کا شوق رہا ہے۔ لکھی ہوئی
داستان مضمون میں ہے۔ لیکن میں خود تمہیں بتاؤں گی۔ اپنے
گناہوں کا اعتراف کرنے سے شاید میری بھٹکتی ہوئی
روح کو کچھ سکون ملے۔ آج سے سات سال پہلے ہماری
منگنی ہوئی۔ یورپ میں پہلے محبت ہوتی ہے پھر منگنی اور
شادی۔ ہمارے ہاں پہلے منگنی پھر محبت خیالی تصویروں کے
ساتھ۔ شادی کے بعد محبت بڑھتی ہے اگر نئی دنیا تصور کی
دنیا سے تھوڑی بہت ملتی جلتی ہو۔ اور اگر نئی دنیا کے ساتھ
ٹکرانے سے خیالی تصویر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے تو محبت بھی ذرے
ذرے ہو کر فضاؤں میں بکھر جاتی ہے۔ میرے دماغ میں
دل میں ان کی خیالی تصویر بستی تھی۔ اور اپنی بہنوں کی زبانی
معلوم ہوا کہ وہ بھی میری پوجا کرتے تھے آنے والے دنوں
کے چمکیلے خواب میں دن کو جاگتے میں بھی دیکھا کرتی تھی۔
شاہد کو دنیا کا خوش ترین انسان بناؤں گی۔ وہ مسکراہٹوں
اور قہقہوں میں کھیلے گا۔ ننھے سے گھر میں اتنی دلکشی ہو گی
کہ وہ باہر جانا ہی نہ چاہے گا۔ اور میں آسے ہر روز صبح دس
بجنے سے کچھ پہلے باہر دھکیل کر دروازہ بند کر لیا کروں گی۔
اور پھر شام کے ۵ بجے تک .. ان کے استقبال کے لئے گھر کو،
کھانے کو، اور اپنے آپ کو تیار کرنا۔ ہمارے دن اور رات ہنستے
کھیلتے بنیں گے۔ وہ بھی کچھ ایسی ہی امیدوں سے کھیلتے تھے
آخر ایک دن وہ پھولوں کی مہک اور باجوں کے سریلے شور
کے ساتھ آئے اور میں گھونگھٹ نکالے اپنے گھر پہنچ گئی۔ میرے
خواب ایک ایک کر کے حقیقت کا روپ اختیار کرنے لگے۔ ہنستا
ہوا سورج ہر صبح ہمیں جگاتا اور مسکراتے ہوئے چاند اور
تاروں کی میٹھی میٹھی چمک ہر رات ہمیں سلا دیتی۔ ہم بہت امیر
نہیں تھے لیکن ہمارے گھر میں سکون بستا تھا۔ دن اسی طرح
گزر رہے تھے کہ ہماری محبت کی کلیاں کھلنے لگیں۔ ان پھولوں
کو ہم زیدی، غزالی، اور صفی کہتے تھے ـــ ان مسرت
بھرے دنوں نے شاید مجھے مغرور بنا دیا۔ جو وعدے میں
نے منگنی کی انگوٹھی سے کئے تھے اور جو عہد گھونگھٹ میں
اپنے دل سے کئے تھے۔ سب بھول گئی۔ ایک پردہ سا
آگیا۔ میرے ماضی اور حال کے درمیان۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب
ماضی کا اثر نہ رہا تو حال آوارہ ہو کر رہ گیا۔ میں وہ نہ رہی

جو تھی اور جو بننے کے ارادے تھے۔ وہ خود اس تغیر کو سمجھ نہ سکتے تھے۔ دفتر سے آکر اگر خاموش رہتے تو میں برس پڑتی۔

ہاں! مجھے آپ کون سمجھتے ہیں۔ جو رازدار بنائیں۔ اور ناراض ہو جاتی "۔ معاف کرنا"یں صاحب مضمون کے الفاظ دہرا رہی ہوں ــــ اگر آتے ہی سب کچھ بتا دیتے تو کہتی ــ اونہہ! آپ تو ذرا ذرا سی باتوں کے لئے پریشان ہو جاتے ہیں۔ جانے دیجئے۔ آیئے بازار چلیں۔ مجھے کپڑا لینا ہے ــ اور وہ حیران ہو کر کہتے ــــ یہ معمولی بات نہیں ہے ــــ تو میں غصہ ہو کر کہتی ــــ نہیں تو میرے ہمراہ باہر نہ جانے کا کوئی نہ کوئی بہانہ چاہیئے۔ غرضیکہ ہمارے دن اور رات جھگڑوں میں گزرنے لگے۔ میں اپنے وعدوں کو بھولی رہی۔ اور ان کی خیالی تصویروں کو ایک ایک کر کے توڑ ڈالا۔ یہاں تک کہ ہمارے عشرت کدہ میں سوائے ٹوٹی ہوئی تصویروں کی کرچیوں کے اور کچھ بھی نہ رہا۔ جہاں پہلے تسکین دہ خاموشیاں تھیں وہاں اب سکون شکن شور تھا۔ جو ان کرچیوں کے ایک دوسرے کے ساتھ ٹکرانے سے پیدا ہوتا تھا۔ یہ نہ سوچنا کہ مجھے ان سے محبت نہ رہی تھی۔ پہلے سے زیادہ۔ لیکن سچ تو یہ ہے کہ وہ اس قدر میرے قبضہ میں ہو چکے تھے کہ میں نے کبھی بھولے سے بھی یہ نہ سوچا کہ وہ میری ناجائز حرکتوں سے کبھی تنگ بھی آ جائیں گے۔ مرد گھر کا سکون اس وقت توڑتا ہے۔ جب اسے بیوی سے محبت نہ رہے اور عورت محبت کرتے ہوئے بھی سکون شکن بن سکتی ہے۔

ایک شام وہ اپنے ساتھ دفتر سے چار پانچ دوستوں کو لیتے آئے۔ رات انھیں امرتسر جانا تھا۔ باہر سے انھوں نے چائے منگوائی۔ ایسا اکثر ہوا کرتا تھا۔ اب سوچتی ہوں کہ یہ بھی مجھ سے دور رہنے کی ایک ترکیب تھی۔ ایسے موقعوں پر میرا غصہ اور بھی بڑھ جاتا۔ اس شام بھی برس پڑی۔ ڈرائنگ روم اور زنانہ مکان کے درمیان صرف ایک دیوار تھی۔ جس میں دروازہ بھی تھا۔ وہ میری آواز سن کر اندر آئے۔ اور پہلی بار ــــ اگلے دن مجھے معلوم ہوا کہ آخری بار انھوں نے غصے کا اظہار کیا۔ بار بار یہی کہتے تھے ــــ میں کیوں زندہ ہوں ــــ اماں نے سمجھا بجھا کر دوستوں میں بھیجا۔ بات آئی گئی ہو گئی۔ رات وہ چلے گئے اگلے دن تار آئی کہ انہوں نے ہوٹل میں خودکشی کر لی ہے

آج سے تین سال پہلے یہ واقعہ پہلی مارچ کو ہوا اور آج اسی تاریخ کو میں نے یہ مضمون پڑھا ہے۔ تار نے میری آنکھیں کھول دیں۔ لیکن بہت دیر میں۔ سب کچھ کھو دینے کے بعد میں ان کے بچوں کو وطن سے بہت دور یہاں لے آئی۔

صبیحہ! اگر میری زندگی افسانہ ہوتی تو آج میری زندگی کا آخری دن ہوتا۔ لیکن ایسا صرف افسانوی دنیا میں ہوتا ہے۔ حقیقی دنیا میں نہیں۔ ــ

مجھے زندہ رہنا ہے ــــ

بارہا جی چاہا کہ پولیس میں جا کر کہہ دوں کہ انہوں نے خود اپنے آپ کو نہیں مارا۔ ان کی قاتل میں ہوں۔ لیکن دنیا کا قانون ادھورا ہے۔ سزا جرم کی ہوتی ہے۔ ایسے گناہ کی نہیں۔ جب تک زندہ رہوں گی ضمیر مجھے کوستا رہے گا۔ بچے جوان ہوں گے۔ تو بوڑھی ماں سے نفرت کریں گے۔ تمہارے سامنے آنکھ اٹھانے کی ہمت نہیں ہو گی۔ پھر بھی میں زندہ رہوں گی۔ عمر بھر کے لئے اتنی سخت سزا دنیا کی کوئی عدالت مجھے نہ دے سکتی تھی۔

اب جب ہمسایہ بیویاں کہتی ہیں کہ نرجہ! ہمارے میاں کو شاہد مرحوم کی خوش قسمتی پر رشک آتا ہے۔۔ تو اس کا زرد رنگ اور بھی زرد پڑ جاتا ہے۔ آنکھوں میں آنسو چھلکنے لگتے ہیں۔ اور وہ ایک آہ کر کے رہ جاتی ہے اس وقت مجھ کو معلوم ہو جاتا ہے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے۔

سکینہ عابد

بیکار چیزیں

کفایت شعاری اور پرانی چیزوں کو دوبارہ استعمال میں لانے کے متعلق آج کل رسائل میں مضامین شائع ہو رہے ہیں۔ میرے خیال میں یہ موضوع نہایت ضروری اور قابل توجہ ہے۔ اس لئے کہ ان مضامین سے کوئی نہ کوئی نئی ترکیب بیکار چیزوں کے استعمال کی معلوم ہو جاتی ہے۔ اسی سلسلہ میں میں بھی چند ترکیبیں لکھنے کی جرأت کر رہی ہوں۔

ترکیبیں ۔ (۱) پھٹی ہوئی ساڑیوں میں سے بورڈر احتیاط سے نکال لینا چاہئے۔ اور ان کو ململ یا وائل کی سادی ساڑیوں میں لگا لینا چاہئے۔ اس سے سادی ساڑھیاں خوبصورت معلوم ہونے لگتی ہیں۔ اور یہ پرانے بورڈر جو ساڑھی سے زیادہ مضبوط ہوتے ہیں بخوبی ساڑھیوں میں چل جاتے ہیں۔ اگر کوئی بورڈر ایسا ہو جس کو آپ ساڑھی میں لگانا نہ چاہیں تو اس کے ازار بند سی لیجئے اور اگر بہت ہی پھٹ گیا ہو تو اس کے تاگے نکال کر کشیدہ کاری کے لئے محفوظ کر لیجئے۔

(۲) ایک اور ترکیب یہ ہے کہ مختلف رنگوں کے بورڈرز کو رنگوں کی مناسبت کے لحاظ سے لمبان سے جوڑ لیجئے ان بورڈرز کو باہم جوڑنے سے ایک خوبصورت رنگ برنگی چادر بن جائیگی جو حسب ضرورت اور حسب پسند طریقے سے کام میں لائی جا سکتی ہے

(۳) پرانی ساڑیوں کے کپڑے کو بھی مختلف طریقے سے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً بلاؤز۔ بچوں کے کرتے۔ دستی رومال اور ڈبل کپڑے کی صافیاں وغیرہ بنا سکتے ہیں۔

(۴) عام طور پر ریشم اور دیگر کپڑوں کو کاٹنے کے بعد جو کترن بچ جاتی ہے۔ اس کو یا تو پھینک دیا جاتا ہے یا پھر بچیاں اپنی گڑیوں کے لئے لے لیتی ہیں۔ خوبصورت کپڑوں کی کترنوں کو جمع کر کے نصف انچ چوڑی اور حسب پسند لمبی دھجیاں کر لیجئے اور حسب ذیل طریقے سے پھول بنا لیجئے۔

پہلے ایک دھجی کو لیجئے۔ اس کو لمبان سے دوہری کیجئے اور سوئی سے اس لمبان میں مہین مہین کھونپ بھر لیجئے۔ آخیر میں سوئی کے ڈورے کو کھینچئے ایسا کرنے سے دھجی میں چنٹ پڑ جائے گی۔ اب دونوں سروں کو ملا کر سی دیجئے اس ترکیب سے ایک خوبصورت سا نقشہ کے مطابق پھول بن جائے گا

کپڑے کا پھول

۔ اب سب دھجیوں کے پھول بنا کر ان کو ایک ساتھ اس طرح جوڑیئے کہ وہ آپ کی حسب پسند ڈریسنگ ٹیبل کے لئے چھوٹے چھوٹے پھولوں کا کپڑا بن جائے یعنی جو کپڑا سنگار میز پر بچھاتے ہیں۔ ان ہی پھولوں کو لڑیوں کی طرح جوڑ کر آئینہ کے ناپ کے مطابق بنا کر اس پر ڈالا جائے۔ تو نہایت ہی خوبصورت پھولوں کا سہرا سا معلوم ہوتا ہے۔ سنگار میز پر ان پھولوں کے کپڑے اس کی دلکشی میں بھی اضافہ کرتے ہیں۔ اور کترن بھی سلیقہ سے استعمال ہو جاتی ہے۔

(۵) جب سوتی موزے ناقابل استعمال ہو جائیں تو ان کو دھو کر ان میں سے ڈورے نکال لو۔ اور بٹ کر خالی ریل پر چڑھا لو۔ پھر یا تو سینے کے کام میں لاؤ اور یا کروشیا سے گلاس کے نیچے لگانے۔ طشتریوں پر بچھانے کے کپڑے یا ٹرے پوشس وغیرہ بنا لیجئے۔ اور

(۶) اسی طرح بورڈر کے نکالے ہوئے تاگے سے بھی کروشیا کے ذریعہ خوبصورت بیلیں تیار کی جا سکتی ہیں۔

(۷) آج کل کوئلہ کی کمی عام ہے۔ اس کی بچت کی تدابیر پر بھی غور کرنا ضروری ہے۔ گزشتہ زمانہ میں کوئلہ کی افراط کے باعث اس کے چورے کی جانب کچھ توجہ نہ کی جاتی تھی اور اس کو پھینک دیا جاتا تھا۔ مگر اس زمانہ میں ایسا کرنا کفایت شعاری کے خلاف ہے۔ اس چورے کو اس طرح جلانے کے

کام میں لایا جا سکتا ہے کہ چورے کو جمع کرکے اس میں تھوڑی سی چکنی مٹی خوب پتلی گھول کر ملالی جائے اس کے بعد اس مٹی ملے چورے کے چھوٹے چھوٹے گولے بنا کر دھوپ میں خشک کرلیں۔ خشک ہونے کے بعد ان کو کوئلوں کی طرح جلائیں ان کی آگ بہت دیر تک رہتی ہے۔ اور یہ جلتے بھی خوب ہیں زمانۂ جنگ ہی میں نہیں بلکہ امن کے زمانہ میں بھی بیکار چیزوں کو قابلِ استعمال بنانا کفایت شعاری کے علاوہ فرصت کے لمحوں کو دلچسپ اور مفید طریقہ پر گزارنے کا بہترین شغل ہے۔

صدیقہ بانو الہ آباد

مکالمۂ جبریل و ابلیس

ابلیس ملا حضرتِ جبریل سے اک روز — مسرور تھا ہونٹوں پہ ہنسی کھیل رہی تھی
جبریل نے پوچھا کہ ہے کس رنگ میں دنیا — مصروف ہے کس شغل میں ہر پیکرِ خاکی
کس حال میں ہے ہادیٔ اسلام کی امت — کیا اب بھی ہے وہ پیروِ احکام الٰہی
کیا ان میں ہے موجود وہی خلقِ محمدؐ — اخلاصِ علیؓ۔ عزمِ عمرؓ۔ جوشِ غزالی
شوخی سے جواباً کہا شیطان نے ہنس کر — اے قاصدِ خوش کام شہِ ازلی و ابدی
میں قلبِ مسلماں پہ کرتا ہوں حکومت — ہیں بندہ بے دام میرے عالم و عامی
ہیں خاص مگر قوم کے کچھ ایسے بھی لیڈر — جو فخر سے کرتے ہیں سدا میری غلامی
مصحف ہے غرض اُن کو نہ اسلام سے مطلب — وہ گرچہ ہیں مشہور زمانہ میں نمازی
تحصیلِ زر و جاہ و حشم منصب و عزت — ہے صرف یہی اُن کی تمنائے دوامی
نشہ میں حکومت کے ہیں مدہوش ہمیشہ — زنہار نہیں قوم کا احساس تباہی
اور بن کے وہ اغیار کے ہاتھوں کا کھلونا — اپنی ہی جماعت کے مٹانے میں ہیں ساعی
جبریل نے خورشید بھری آہ کہا یوں — اے رہبرو چھوڑ دو یہ دلق ریائی

کیوں بن کے خضر دیتے ہو تعلیم ضلالت
مٹ جاؤ گے تم بھی جو مٹی قوم و جماعت

خورشید آرا بیگم خورشید
منشی فاضل و ادیب فاضل۔ ناگپور

طوفانی بھوت

اسے انگریزی میں کہتے ہیں۔ پر وٹی جی اسٹ۔ پروٹو کے
معنی ہیں۔ تباہ کرنا، برباد کرنا۔ اور جی اسٹ کے معنی ہیں بھوت
طوفانی بھوت سے میری مراد ہے وہ بھوت۔ جو شورش پسند
ہے یعنی ہنگامہ آرائی ان کا امتیازی نشان ہے یہ امن پسند
شہریوں کو نت نئے طریقے سے تنگ کرتے ہیں۔ عام طور پر
یہ میز کرسیوں کو ہوا میں پھینکتے ہیں۔ چارپائیوں اور بستروں
کو الٹ پلٹ کر دیتے ہیں۔ بعض اوقات یہ دھول دھپا پر بھی
اتر آتے ہیں۔ اور اپنے شکار پر بڑی بے دردی سے حملہ
کرتے ہیں۔

ان بھوتوں کے کارناموں کو ہم اور آپ کہانی سمجھیں تو
سمجھیں۔ لیکن سائنس دانوں نے کافی جانچ پڑتال کے بعد
حقیقت پر کچھ دسترس حاصل کر لی ہے۔ اگر کسی بہن کو
کبھی کسی بھوت سے واسطہ پڑا ہو تو وہ اسے صرف وہم سمجھ کر
بھول جانے کی کوشش نہ کریں۔ بلکہ یہ واضح کر دیں کہ "یہ ٹھوس
حقیقت ہے۔"

ہندوستان میں اگرچہ بہت سی بہنوں کو بھوتوں سے
مڈبھیڑ ہوئی ہوگی۔ لیکن میں نے آج تک نہیں سنا کہ کسی
بہن نے آپ بیتی کو کاغذ پر لانے کی کوشش کی ہو۔ اس لئے
کہ ان کو اس سلسلے میں دو باتوں کا سامنا کرنا پڑا ہوگا۔ ایک تو
کہ ان حالات کو بہنیں توہم پرستی سے تعبیر کریں گی۔ دوسرے
یہ کہ ایڈیٹر صاحب اس کو محض گپ سمجھیں گے۔ یقین مانیں
کہ جو کچھ میں لکھ رہی ہوں۔ وہ سچائی پر مبنی ہے۔ اسے کسی طرح
بھی گپ سے منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ علم النفسیات کے ماہر
ابھی تک ایسے واقعات کی تہوں کو الٹ پلٹ رہے ہیں۔
اور سائنس دان ان کو سائڈ پر لگا کر خوردبین سے مطالعہ کر رہے
ہیں۔ انہوں نے اب تک صرف اتنا دریافت کیا ہے کہ
یہ بھوت ایک غیبی قوت یا روح ہے۔ اور ان کی شکار عموماً
جوان عورتیں ہی ہوتی ہیں اور ان کا خیال ہے کہ واقعات
کی لڑی میں سیکس کی ایک کڑی ضرور ہے۔

اب سے اٹھارہ سال پہلے لندن کی ایک لڑکی انہی
بھوتوں کی شکار ہوئی تھی۔ اور یہ کیس عرصہ تک سائنسدانوں
کے لئے موجب حیرت رہا تھا۔ اس لڑکی کے چہرہ پر بیٹھے
بٹھائے کئی سوئیاں چبھ جاتیں اور کوئی غیبی ہاتھ اس کی گالوں
پر تڑاق تڑاق تھپڑ مارتے۔ چہرہ پر انگلیوں کے نشان پڑ جاتے
کئی دفعہ سائنس دانوں نے اس لڑکی کو اپنے بیچوں بیچ بٹھا کر
بغور تاکا لیکن واہ رے غیبی ہاتھ۔ اس کم بخت نے وہاں بھی
حملہ کر دیا۔ اور اتنے آدمیوں کے درمیان ہوتے ہوئے بھی حملہ
کی شدت میں کسی طرح کی کمی نہ ہوگی۔ اس واقعہ کے بعد ان
سائنسدانوں کو اعتراف کرنا پڑا کہ کرۂ ارض پر مٹی کے پتلوں کے
علاوہ ایسی بھی روحیں آباد ہیں جن کا نہ تو کوئی سایہ ہے۔ اور
نہ وہ نظر آسکتی ہیں۔ خیال کیا جاتا ہے کہ ان کی اپنی الگ بستیاں
ہیں۔ اور روحیں کبھی کبھار معین وقت تک کے لئے انسانی جامہ
میں بھی نظر آنے لگتی ہیں۔ بھلا یقین کی بھی حد ہے اور کیوں نہ ہو
جب آنکھوں دیکھی بات ہو کسی عزیز کے مرجانے پر اس کی لاش
کو سپرد خاک کر دو۔ پھر بھی اگر خدا کو منظور ہو تو اس کی روح وقتاً
فوقتاً قریبی رشتہ داروں کو تنگ کرتی رہے گی۔ میں خود ایسی
باتوں کو وہم سمجھتی اور نظر کا فریب خیال کرتی رہی ہوں لیکن دنیا
کے مشہور سائنس دانوں کے مندرجہ بالا خیالات کے مطالعہ سے
مجھے محسوس ہوا کہ میں اتنے برس خود فریب کھاتی رہی ہوں۔

جب سے دنیا بنی ہے اسی وقت سے یہاں ایسی روحیں آباد
ہیں۔ مصر میں ایک بادشاہ کی ممی کو اکھاڑنے پر ایک کاغذ کے
پرزہ پر قدیم زبان میں لکھا ملا کہ اس بادشاہ کو عمر بھر اس کی موت

شدہ بیوی کی روح تنگ کرتی رہی جتنی کہ وہ جانبر نہ ہو سکا۔

اور سنئے۔ کافی عرصہ گزرا انگلستان میں ایک طبلچی ڈھول پیٹا کرتا تھا۔ اس وقت کے حاکم کو اس کی حرکت سخت ناپسند تھی۔ اس لئے اس نے طبلچی کا ڈھول چھین لیا اور لاکر اپنے بنگلہ میں رکھ دیا۔ رات ہوئی تو وہ ڈھول خود بخود بجنا شروع ہوا۔ ساتھ ساتھ تمام کواڑ اور کھڑکیاں بھی کڑکڑ کرنے لگیں۔ حاکم بہت پریشان ہوا۔ دوسرے دن اس نے ڈھول کے ارد گرد کئی پہرے دار مقرر کئے۔ لیکن رات ہوتے ہی۔ حضرت ڈھول پھر بجنے شروع ہو گئے۔ پہرے دار حیران تھے۔ اور کہتے تھے کہ الٰہی یہ ماجرا کیا ہے۔ تنگ آکر حاکم نے اس طبلچی کو ملک بدر کر دیا۔ تب جاکر اسے چین نصیب ہوا۔

ایک دفعہ اسی شہر کے ایک بڑے رئیس کو بھوتوں نے سخت تنگ کیا۔ اس کی چارپائی اُلٹ دیتے۔ اور سر کو سینکڑوں ہاتھ دھم دھم کرکے پیٹتے۔ یہی بھوت اس کے ڈائینا سیٹ۔ میزیں اور کرسیاں پٹک دیتے۔ کئی دفعہ ایسا ہوا کہ بھوت ہرے یا سفید کپڑے پہنے سامنے سے نکل جاتا۔ مختلف تدابیر اختیار کی گئیں۔ لیکن سب بیکار ثابت ہوئیں۔ آخرکار اس رئیس کو مکان چھوڑنا پڑا۔

سب سے دلچسپ واقعہ یہ ہے کہ ڈربی شائر کے ایک پادری نے شکایت کی کہ چرچ کے قبرستان میں سے کسی نے دو قبریں اکھاڑ ڈالیں۔ اور مُردوں کو کھڑا کرکے نچایا۔ پہرہ دار مقرر کئے گئے۔ لیکن کوئی پتہ نہیں چلا۔ ان قبروں کی کئی دفعہ مرمت کی گئی۔ اور مردوں کو کفن پہنا کر بار بار قبروں میں رکھا گیا لیکن ان کی بے حرمتی کرنے سے۔ وہ باز نہ آیا۔ یہ شکایت گورنر کے کان تک پہنچی اور اس نے حکم دیا کہ وہ خود اور اس کے خاص سپاہی رات کو اس قبرستان کا پہرہ دیں گے۔ اس چھوٹے سے قبرستان میں سب جگہ باریک قلعی بچھا دی گئی۔ تاکہ کسی طرح سے اگر یہ شیطانی حرکت کرنے والا شخص نکل بھاگے تو پاؤں کے نشانات سے اسے ڈھونڈھ لیا جائے اور قبرستان کو باہر سے مقفل کر دیا گیا۔

واضح رہے کہ یہ ایک خاندانی قبرستان تھا۔ رات بھر گورنر مع اپنے سپاہیوں کے پہرہ دیتا رہا تھا۔ اندھیرے ہی کمرے کے اندر سے کچھ آواز آئی۔ جھانک کر دیکھا گیا۔ تو وہی دو لاشیں ناچ رہی ہیں۔ قبریں کھلی پڑی ہیں اور جگہ جگہ آگ کے شعلے رقصاں ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر سب کے سب سر پہ پاؤں رکھ کر بھاگ نکلے۔ صبح ہی دروازہ کھولا گیا۔ دیکھا تو بچھی ہوئی قلعی جوں کی توں ہے اور اس پر کسی کے قدم کے نشان نہیں ہیں۔ وہی دو لاشیں بے کفن الگ پڑی ہیں۔ یہ واقعہ سنہ ۱۹۰۰ء کا ہے۔ اور انگلستان جیسے ملک میں ہوا ہے۔ کہتے ہیں کہ آخر ان دونوں مُردوں کو وہاں سے نکال کر جنگل میں کہیں دفن کر دیا۔

کئی مثالیں دی جا سکتی ہیں لیکن میں اوروں کے بیان کردہ واقعات پر ہی اکتفا کرتی ہوں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ہوا اور پانی پر حکومت کرنے والے دماغوں نے اس کے متعلق کچھ معلوم بھی کیا؟ سچ پوچھو تو ابھی تک کچھ بھی نہیں۔ ہاں اتنا ضرور ہوا ہے کہ وہ یہ مان گئے ہیں کہ دنیا میں بھوت یا روحیں آباد ضرور ہیں۔ ابھی تک وہ یہ دریافت نہیں کر سکے ہیں کہ یہ روحیں کیا ہیں؟ اور اتنی قوت وہ کہاں سے پاتے ہیں۔ ان سائنس دانوں نے عقل کو چکرا دینے والے واقعات چونکہ آنکھوں سے دیکھے ہیں۔ اس لئے ممکن ہے کہ یہ کسی دن دُور کی کوڑی لے آئیں گے۔

مجھے معلوم نہیں کہ اس کے متعلق مذہب کیا کہتا ہے کم از کم میرا مذہب اس کی بابت خاموش ہے۔ شائد نئے مذہبی رہنماؤں کے پاس ان کا جواب ہو

نرملا دیوی تیواڑی

خدا بچائے اس عادت سے

یوں تو دنیا میں کوئی ایسا بے شرم نہیں ہے، جو بلا وجہ کسی کے آگے ہاتھ پھیلائے۔ لیکن فوری مصیبت کو دور یا آسان کرنے کے لئے اگر مجبوری میں قرضہ لیا جائے تو اس قدر غیر موزوں بھی نہیں ہے۔ مگر نہ معلوم قرض میں ایسی کونسی انتہائی نحوست چھپی ہوتی ہے کہ جہاں کسی نے قرض لیا، اور اس کی ضرورتوں میں اضافہ ہونے لگا۔ خواہ مخواہ کو گھر میں کوئی مصیبت آن پڑی۔ کوئی بیمار پڑ گیا یا کہیں کسی تقریب میں جانا پڑا۔ نتیجہ یہ کہ وہ قرض ادا کرنا مشکل ہو جاتا ہے اور نت نئی ضرورتیں قرضہ کی ادائیگی کی رقم کو ہضم ہی کرتی رہتی ہیں۔ اور مہینوں تک ایسے اتفاقات پیش آتے رہتے ہیں۔ بایں ہمہ جو خواتین محتاط ہوتی ہیں۔ وہ قرضہ ادا کرنے کی مد میں کچھ نہ کچھ فراہم اور پس انداز کرتی رہتی ہیں۔ اور ان کی کوشش سے کچھ عرصہ بعد قرضہ سے گلو خلاصی ہو جاتی ہے۔ لیکن جو خواتین یا مرد سطحی خیالات رکھتے اور قرض کے بار کو محسوس نہیں کرتے ہیں۔ وہ یہ کہتے رہتے ہیں کہ اس مہینہ نہیں تو دوسرے اور دوسرے تیسرے مہینے نہیں تو چوتھے میں ادا کیا جائے گا۔ ایسی کیا لوٹ پڑی ہے۔ کیا ہم بے ایمان تھوڑے ہی ہیں۔ اجی! قرض تو دم کے ساتھ ہے۔ بڑی بڑی کمپنیاں حصوں کی خرید فروخت کے بہانے قرض لیتی رہتی ہیں۔ پھر اگر ہم نے اپنا کام حکمت عملی سے چلا لیا۔ تو کون سا گناہ کیا۔ آخر وہ بھی تو اپنا روپیہ اپنی تجوری میں مقفل رکھتے۔ کیا ہوا اگر کسی کے کام آ گیا۔ اجی اتنی بھی اگر اپنوں سے مدد نہ ملی تو پھر اپنے اور غیروں میں فرق ہی کونسا رہ جاتا ہے۔ غرض اسی قسم کی باتوں سے اپنی خفت مٹاتے اور اس بلا سے نجات حاصل کرنے کی بجائے مدتوں تک اس طوق لعنت کو اپنے گلے سے باندھے رکھتے ہیں۔ قرض کے متعلق رسول اکرمؐ نے فرمایا ہے کہ یہ دوستی کے لئے مقراض کا کام کرتی ہے۔ کسی عالم نے کہا ہے کہ اگر کسی سے دوستی ترک کرنی چاہو تو اس سے قرضہ مانگ لو۔ یا اُسے قرض دیدو یہ درست ہے۔ بعض اوقات کسی کی اشد ضرورت پر قرضہ دے کر ہم اپنی ہمدردی کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔ مگر جب یہ قرضہ ادا ہوتا نظر نہیں آتا۔ تو خواہ مخواہ قرضدار سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے

یہ صحیح ہے کہ گورنمنٹ یا بڑی کمپنیاں قرضے لے کر کام چلاتی ہیں۔ لیکن وہ وقت مقررہ پر قرضہ ادا بھی تو کر دیتی ہیں۔ مگر ہماری تمہاری بے اصول زندگی میں قرضہ کا یہ کھیل کامیاب نہیں ہو سکتا۔ ہمیں لازم ہے کہ جہاں تک ہو سکے اپنے مقررہ محدود رقم کے اندر ہی تمام اخراجات کو پورا کرنے کی کوشش کریں۔ اگر آمدنی اور سرمایہ کم ہے تو ایسا بجٹ بنائیں جس میں تمام کام بہ آسانی اسی محدود آمدنی میں پورے ہو جائیں۔ یا ہر مہینے دو چار روپیہ قرضہ کی ضرورت پڑتی ہو تو اخراجات میں سے کاٹ کر یہ رقم کسی اشد ضرورت کے لئے الگ کر لی جائے۔

ہمارا تجربہ یہ ہے کہ جہاں آپ نے قرضہ لے کر اپنی ضرورت پوری کی اور فوراً ہی اس کی نحوست آپ پر سوار ہو گئی۔ ضرور دوسرے مہینے کوئی نہ کوئی ایسی آفت آپ پر آن پڑے گی، کہ آپ قرض سے سبکدوشی حاصل نہ کر سکیں گی۔

بعض لوگوں کی عادت یہ ہوتی ہے کہ لباس اچھے سے اچھا اور قیمتی ٹیلر شاپ سے قرض خریدتے ہیں اور چونکہ نقد اور قرض سودے کا مختلف بھاؤ ہوا کرتا ہے۔ قرض سودے میں خریدار کو نقصان اور دوکاندار کو نفع ہوتا ہے۔ اور دوکاندار زیادہ نفع حاصل کرنے کے لئے اپنی چرب زبانی سے آپ کے دل پر احساس ندامت یا زیر باری کا شائبہ بھی نہیں پڑنے دیتا اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہمیشہ کے لئے قرض سودا دگنی قیمت پر آپ کے سر منڈھ کر آپ کو زیر بار منت بنائے رکھتا ہے۔

اور پھر کسی اتفاقی حادثے سے مثلاً ملازمت چھوٹ جانے یا سلسل بیماری کے سبب ماہوار قسط ادا کرنے سے مجبور رہو جاتے تو فوراً نالش ٹھوک دیتا ہے۔ اور عدالت سے معہ سود اور خرچہ عدالت ایک بڑی رقم آپ سے وصول کرلیتا ہے۔ یہی حال فرنیچر وغیرہ قسط وار خریدنے کا ہوتا ہے۔ اس قسم کے معاملات میں چونکہ تمسک وغیرہ نہیں لکھتے اس لئے وہ تھوڑی سی جھنجھٹ کے بعد یا تول جاتا ہے۔ ورنہ کئی قسط وصول ہو جانے کے بعد بھی بے مہر دوکاندار فرنیچر اٹھا کر لے جاتا ہے۔ چاہیئے یہ کہ ہمیشہ آمدنی اور خرچ کا موازنہ رکھیں۔ اپنے سے بڑی حیثیت لوگوں کی ریس میں قرض وام کرکے ہم کسی طرح ان کی برابری نہیں کرسکتے اور نہ ہمیشہ اس کو نبھا سکتے ہیں۔ چار دن قرضے کی بہار دیکھ کر ہمیشہ کے لئے وقف خزاں ہونا کوئی دانشمندی نہیں ہے۔

میں ایک چشم دید واقعہ آپ کو سناتی ہوں۔ ایک صاحب کافی خوش حال تھے۔ ایک بیگہ پختہ زمین بھی ان کے تھی۔ آمدنی بڑھانے کے خیال سے انھوں نے موٹر کا کارخانہ بنوایا ینسپری ڈائنمو اور دوسرے قیمتی آلات پر ان کا بے شمار روپیہ خرچ ہوا۔ اور ۴ یا ۵ ہزار روپیہ سود پر قرض لینا پڑا۔ مہاجن سے یہ رقم لے کر وہ بے فکر ہو گئے۔ ان کا خیال تھا کہ جب کارخانہ تیار ہو کر چالو ہو جائے گا تو بات کی بات میں اصل و سود چکا دیں گے۔ مگر قرض کی نحوست پس و پیش منڈلا رہی تھی جب کارخانہ کافی عرصہ کے بعد چلا تو یقین ہو گیا کہ سال کے آخر میں مصارف ضروری ادا کرنے کے بعد مہاجن کا روپیہ دے دیا جائے گا۔ یکایک مالک کارخانہ کے لئے پیام موت آپہنچا اور وہ چل بسے۔ ان کے مرنے کے بعد وارثوں میں پھوٹ پڑ گئی اور کئی سال گزر گئے۔ کارخانہ الگ تباہ ہوا اور مہاجن نے اتنی بڑی زمین مع کارخانہ کے عدالت کے ذریعہ اپنے قرضے اور سود در سود میں نیلام کرالی۔ وارث مفلوک الحال رہ گئے۔ اگر وہ اپنے سرمایہ کے اندر عمارت تعمیر کرا کے اس پر کوا یہ بٹھا دیتے۔ یا کوئی کارخانہ چھوٹا ہی سہی بلا قرضہ لیے بناتے تو یہ نحوست ہرگز ان پر سوار نہ ہوتی۔

واقعہ یہ ہے کہ قرض کی عادت ماں باپ سے بچے سیکھتے ہیں عموماً اسکول میں قرض کی عادت رکھنے والے بچے خوانچہ والوں سے ماہوار ادائیگی کی شرط پر سودا مثلاً مٹھائی بسکٹ وغیرہ خرید کر کھاتے ہیں اور مہینے پر جیب خرچ سے ادا کرتے ہیں، وہ ایسا کیوں کرتے ہیں اس لئے کہ وہ اپنی آنکھوں سے اماں جان کو زیور بنوانے کے بعد ہر ماہ سُنار کو روپیہ ادا کرتے اور مودی بقال وغیرہ سے سامان منگوا کر ہر ماہ قرضہ ادا کرتے دیکھتے ہیں۔

نقد سودا خریدنے میں اگرچہ بے حد کفایت ہوتی ہے۔ مگر دیکھا یہ جاتا ہے کہ بیویاں عموماً مہینہ بھر تک سامان منگواتی رہتی ہیں۔ اور دوسرے مہینے اس کا حساب چکاتی ہیں۔ اور اس طریقے کو اپنی ریاست اور امارت کی شان خیال کرتی ہیں۔ درزی سے بھی یہی حساب رہتا ہے۔ وہ ہر ماہ بل لے کر پہنچتا ہے۔ اسی طرح بزاز ہر ماہ ضرورت ہو یا نہ ہو اچھے اچھے کپڑے دکھا کر تھان دو تھان رکھ جاتا ہے۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ روزانہ اخبارات کے ایجنٹ روزانہ اخبار دے جاتے ہیں۔ یا بسکٹ، روٹی و کیک والے ماہوار کے حساب سے سودا بیچتے اور مہینہ ختم ہونے پر بل بنا کر پیش کرتے ہیں۔ اس میں سود یا زیادہ دام دینے کا سوال نہیں ہوتا۔ اس لئے ان کا ماہوار چکانے میں ہرج نہیں ہے۔ مگر وہ عام سودے جن کی نسبت یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرض لینے میں وہ قیمت بڑھا کر لیں گے۔ ماہوار قسط پر لینا سراسر غلطی ہے۔

قرض کی عادت اگر بچوں میں دیکھیے تو ان کو اس کے نقصانات بتا کر فوراً یہ عادت ترک کرا دیجیے اور حتی الامکان خود بھی اس سے گریز کیجیے اللہ تعالیٰ ہر شخص کو قرض کی نحوست سے محفوظ رکھے۔

جمیلہ بیگم کلکتہ

دانت نکلنا

بچوں کے دانت نکلنا بھی بڑی مصیبت ہے۔ دانت نکلتے وقت بچوں کو دستوں کی شکایت ہوتی ہے بعض وقت آنکھیں دکھنے کو آتی ہیں۔ بخار آتا ہے۔ لیکن عام طور سے دست ہی دانت نکلنے کا پیش خیمہ ہوتے ہیں۔ دانتوں کے نکلنے کی وجہ سے اچھا تندرست بچہ بھی دبلا ہوجاتا ہے اور اس کی ہڈیاں نکل آتی ہیں اور بچہ دستوں سے ہلکان ہوجاتا ہے۔ جیسے ہی دانت نکلنا شروع ہوں ان کا علاج شروع کردیا جائے تو دانت بآسانی نکل سکتے ہیں۔ اور بچے کو کوئی تکلیف بھی نہیں ہوتی۔ مجھے دو ترکیبیں معلوم ہیں۔ بہنوں کی آگاہی کے لئے لکھتی ہوں۔

اول یہ کہ جب بچوں کے دانت نکلنے لگیں تو اول روزانہ صبح کے وقت بستر ہی پر ڈیکامالی بچے کے مسوڑھوں پر ملیں اور پھر ٹخنے کے پاس والی ہڈی میں اور ہتھیلیوں میں اور ریڑھ کی ہڈی میں بھی ملیں۔ اس سے دست بند ہوجاتے ہیں۔ اور دانت نکلنے میں آسانی ہوتی ہے اس کے علاوہ مرے ہوئے کتے کی کچلی جسے سول بھی کہتے ہیں اور جو اوپر کے دانتوں میں نوک دار ہوتی ہیں۔ اتوار کے دن جڑ سے اکھاڑ کر لائیں اور شام کے وقت غروب آفتاب سے پہلے دہلیز پر بیٹھ کر اس دانت کو عود کا دھواں دیں اور پھر بچے کی ماں کے جمپر یا چولی میں سے بچے ہوئے نئے کپڑے میں سی کر اور کالے دھاگے میں پرو کر دہلیز پر بیٹھے ہوئے بچے کے گلے میں باندھ دیں۔ واضح ہو کہ اتوار کے دن ہی باندھنا چاہئے۔

دوم یہ کہ دو چونیاں لے کر چاند کی ۱۹ تاریخ کہ سورج غروب ہونے سے پہلے ایک چونی کی جلیبی منگائیں اور ایک چونی جلیبیوں کے پاس رکھ کر سرکار دو عالم کے نام کی فاتحہ دلائیں جلیبی بچوں میں تقسیم کردیں اور چونی کسی نئے کپڑے میں سی کر بچے کے گلے میں ڈال دیں۔ اور ہر چاند کی ۱۹ تاریخ کو گلے میں کی چونی کھول کر اس کی جلیبی منگائیں۔ اور ایک نئی چونی رکھ کر فاتحہ دلا کر کسی نئے کپڑے میں سی کر بچے کے گلے میں ڈال دیں۔ اس طرح ہر ماہ کریں جب تک دانت نہ نکل آئیں۔

زبیدہ بیگم آدم علی

چھایا (بقیہ صفحہ ۲۹۲)

جنہیں کھونٹے سے باندھ دو چارہ ڈال دو بس خوش ہیں .. .. صدیوں سے زندگی بیت رہی ہے اور بیتی جارہی .. .. بیت جائے گی۔ زمانے سے ہمیں کیا نسبت۔ جس کھونٹے سے باندھے بندھ جاؤ۔ شرافت اور نسائیت اسی میں تو ہے .. .. کہ جس جہنم میں ڈالیں بے چون و چرا پڑ جاؤ۔ .. .. لیکن! یہ چھایا ہے۔ صرف ایک سایہ سمجھے نا آپ! صرف ایک سایہ جسے آپ کسی اور صورت میں نہیں پاسکتے یہ تو محض روشنی کا کھیل ہے!! وہ دیکھئے تاریکی غالب ہے۔ اور سایہ رخصت ہو رہا ہے .. .. !"

(اسی اثنا میں چھایا غائب ہوجاتی ہے .. ..)

رمیش حیران و پریشان دروازے کی جانب بڑھتا ہے۔ (صرف لب ہلتے دکھائی دیتے ہیں۔ سمجھ میں کچھ نہیں آتا) تاریکی کے ساتھ ہی پردہ گرنے لگتا ہے! (پردہ)

(ترجمہ بتصرف)

سنجیدہ اشرف

نوٹ۔ کتے کا دانت بہت بچوں پر استعمال نہیں ہوسکتا ہر ماں اپنے بچے کے لئے الگ دانت منگائے ایک کا دوسرے کے کام نہ آئے گا۔

اِنسانی طبائع

قدرت نے انسان کو مختلف دل و دماغ سے نوازا ہے اس قدرتی اختلاف کے سبب انسان کے زاویۂ نگاہ اور نظریے مختلف ہوتے ہیں۔ روزمرہ کی زندگی میں ہم کو مختلف قسم کی طبائع کے انسانوں سے سابقہ پڑتا رہتا ہے۔ اور یہی سابقہ اُن کی ذہنی کیفیتوں کا شاہد بن کر ان کی فطرت کے متعلق، گہری نہیں تو سطحی اطلاعات ضرور بہم پہنچاتا ہے۔

بظاہر لفظ "طبیعت" یا "مزاج" کوئی گہرا مفہوم نہیں رکھتا اور نفسیات کی رُو سے اس کی تعریف بھی معنی خیز نہیں ہے۔ طبیعت یا مزاج سے مراد کسی فرد واحد کے جذباتی و نظری رُجحانات کا ایسا نظام ہے جو استمراری بن چکا ہو۔ ایک مشہور فلسفی کے نقطۂ نگاہ کے مطابق کائنات اور حیات کے مختلف شعبوں کو نظری میلان کی بنا پر غمگین یا شوخ رنگ میں دیکھنے کی عادت طبیعت کہلاتی ہے۔

طبیعت کے مخصوص قسم کے ہونے کا انحصار کچھ تو سرشتی ذہنی ساخت اور کچھ معاشرت اور ماحول کے عناصر کے اثرات پر ہے۔ گو انسانی مزاج کو کسی خاص رنگ میں نمایاں کرنے میں گردوپیش کے تاثرات، ذاتی فضا ماحول اور معاشرتی اجزا کا بہت زیادہ دخل ہے۔ قدیم حکما کا خیال تھا (اور ابھی اس خیال کو باطل قرار نہیں دیا گیا ہے) کہ "انسانی جسم میں چار سیال مادے ہیں۔ اور ان میں سے کسی ایک کی افراط ایک خاص قسم کا مزاج پیدا کرتا ہے۔ اسی بنا پر یونانی فلسفیوں نے انسانی مزاج کی چار قسمیں بیان کی ہیں۔

(I) The choleric Temprament یا تند مزاجی آپ نے چڑچڑے اور گرم مزاج اشخاص اکثر دیکھے یا سُنے ہوں گے۔ جو بات بات پر بے وجہ بھڑک اُٹھتے ہیں اور جن کی غصیلی پیشانی پر شکنوں کی شطرنج بچھی رہتی ہے۔ یونانی طبیب اس قسم کے مزاج کو صفرا کی زیادتی پر محمول کرتے ہیں۔ یعنی ایسا شخص صفراوی مزاج رکھتا ہے۔

(II) Sanguine temprament یا شوخ طبعی۔ ذہنِ انسانی کی ڈھلان فطری طور پر غم کی طرف ہے لیکن اس رُجحان کے باوجود بعض طبیعتوں کا غم کے متعلق نقطۂ نگاہ نہایت سطحی ہے۔ ایسے انسان زندہ دل، اور شوخ طبع ہونے کے علاوہ ہر شعبہ کا روشن پہلو دیکھنے کے عادی اور عموماً امید افزا خیالات رکھنے اور اسی عقیدہ کے قائل ہوتے ہیں۔ یونانی فلسفہ ایسے مزاج کو خونِ صالح کی زیادتی پر محمول کرتا ہے۔ غالباً اسی بنا پر سرخ چہرہ متبسم اور شگفتہ تصور کیا جاتا ہے۔

(III) Melancholic Temprament یا پژمردہ دلی۔ اس مزاج کا انسان یاس کی طرف فطری رُجحان کی بنا پر قنوطی ذہنیت کا حامل ہوتا ہے۔ زندگی کے ہر شعبہ میں تاریک پہلو دیکھنا اس کی سرشت کا جزو ہوتا ہے۔ قدرت کے حسین و لطیف مناظر میں بھی اس کی اُداس و غمگین نگاہوں کو "کسی خوفناک انجام کا آغاز" نظر آتا ہے۔ ان کمزوریوں کے باوجود وہ اپنی مزاجی قوت اور استواری طبع میں ہرگز متزلزل نہیں ہوتا۔ اس مزاج میں انسانی خون میں سیاہ ذرّات کی افراط بیان کی جاتی ہے۔

(IV) The phlegmatic Temprament : بلغمی طبع۔ اس مزاج کے لوگ قدرتاً سرد جذبات رکھتے اور کسی حد تک احساسات سے خالی ہوتے ہیں۔ یا کم از کم

احساس ہی منجمد اور مردہ سی رہتی ہے۔ ایسے اشخاص میں شوخی اور زندہ دلی کے جذبات دل کی گہرائیوں میں دبے پڑے ہوتے ہیں۔ اول تو ان کا ابھرنا ہی کچھ ناممکن سا ہوتا ہے۔ اور جو کبھی ابھرتے بھی ہیں تو کسی بے کیف اور ناخوشگوار رنگ میں۔ ایسے لوگوں کو بلغمی مزاج کہا جاتا ہے اور اس کی وجہ جسم میں بلغم کی کثرت بتائی جاتی ہے۔ ایسا شخص بے حس اور سست ہونے کے باوجود ثابت قدم اور پُرسکون ہوتا ہے۔

ان چار نمایاں قسموں کے علاوہ بعض اوقات مزاج کی ایک اور پانچویں قسم اس فہرست میں شامل کر لی جاتی ہے۔ Nervous temprament یا عصبی مزاج جس کی وجہ جسم میں عصبی سیال مادے کی وافر مقدار میں موجودگی بیان کرتے ہیں عصبی مزاج کا شخص زود حس، منتشر خیال اور آوارہ افکار ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ بعض مزاجوں میں جلد بازی انتہا درجہ تک پہنچی ہوتی ہے۔ یہ لوگ کسی معاملہ میں بھی پس و پیش یا تذبذب سے کام نہیں لیتے۔ زندگی کے کسی شعبہ میں بھی غور و خوض اور عاقبت اندیشی ان کی فطرت میں داخل نہیں ہوتی وہ جب کام کی ٹھان لیتے ہیں تو تامل و تردد یا تاخیر کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ اسی لمحہ، جبکہ کام کا محض خیال ہی ذہنی دیواروں سے ٹکراتا ہے۔ وہ اسے عملی جامہ پہنا دینا چاہتے ہیں "مت رکو" ان کی پکار ہے۔ "خواہ افلاک ہی کیوں نہ گر پڑیں"۔ "بڑھے چلو" ان کا نعرہ ہے۔ "منزلِ ما دور نیست" ان کی صدا ہوتی ہے۔ ایسے لوگوں کو سیمابی مزاج یا Mercurial Temperament کے مالک کہنا پڑے گا۔ کیونکہ ان کے لئے اپنے فولادی ارادے کو ضبط میں لانا ایسا ہی دشوار ہے جیسا دل کی دھڑکن کو قابو میں لانا انسانی قدرت سے بالاتر ہے۔ سپاہیانہ مزاجوں کے انسان اور دنیا میں ارتعاش پیدا کر دینے والی پُرغرور ہستیاں، مثلاً نپولین۔ لوتھر وغیرہ اسی زمرہ میں شامل ہیں۔ لیکن اس کے بالکل برعکس بعض انسان نہایت کمزور طبع اور نازک مزاج واقع ہوئے ہیں۔ جن کے لئے تنکے کی مانند جذبات کے تیز دھارے میں بہہ جانا یا حالات و واقعات کی رَو کے مقابل بے کس و مجبور ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ یہ لوگ عملی لحاظ سے بالکل ناکارہ و مفلوج ہیں شکسپیر کا ہیملٹ ایسے ہی کمزور مزاج اشخاص کی مثال ہے۔ جن کی قوت تخیلہ قوتِ ارادی کے حق میں زہر ہلاہل ثابت ہوتی ہے۔

عصر جدید کے ایک نامور نفسیاتی کے تجزیہ Jung نے مرقومہ بالا طبائع کو نظر انداز کرتے ہوئے انسانی مزاجوں کی دو بڑی قسمیں اور بیان کی ہیں۔

(I) Introverts اور (II) Entroverts

Introvert اس مزاج کا انسان اپنے لئے مادی دنیا میں کوئی کشش یا دلچسپی نہیں پاتا۔ وہ فطری طور پر اپنی خیال آرائیوں اور تصورات کی رنگینیوں میں گم رہتا ہے۔ اس کی یہ خود فراموشی اور دنیا و مافیہا سے بے خبری اسے حسین و رنگین خوابوں کی خود ساختہ وادی میں بسنے پر مجبور کر دیتی ہے۔

پرستش خیال اس کو انسانی سوسائٹی سے متنفر اور غیر معاشرت پسند بنا دینے کے علاوہ اس کو خلوت گزینی پر مائل کرتی ہے۔ ایسا شخص کم سخن، شرمیلا، دنیا کی گہما گہمیوں سے گریزاں، بے رنگ سنجیدگی کا دائمی اسیر اور اپنی انفرادیت میں محو رہتا ہے۔ جتنے عمیق طور پر وہ اپنی ذات میں مستغرق ہوتا چلا جاتا ہے۔ اتنی ہی شدت سے اس کی زندگی اپنے تاریک پہلوؤں کو نمایاں کرتے ہوئے ایک قنوطی محور کے گرد گھومنے لگتی ہے۔ اولیاء، ریاضی داں عموماً اور فلاسفر اور شعرا خصوصاً Introverts واقع ہوئے ہیں جن کی بڑی خصوصیت تنہا پسندی اور خلوت نشینی ہے۔

Entrovert کی عادات مذکورہ بالا شخص کے خصائل کے بالکل برعکس واقع ہوئی ہیں۔ وہ سوسائٹی کا

کے خصائل کے بالکل برعکس واقع ہوئی ہیں۔ وہ سوسائٹی کا ایک زندہ دل، شگفتہ مزاج اور باتونی رُکن ہے جو اپنی ہستی کو قہقہوں کی بازگشت میں مدغم کئے ہوئے ہے وہ فطرتاً بے تکلف اور معاشرت پسند واقع ہوا ہے۔

Introvert کی طرح وہ خوابوں کی شیریں وادی کا خالق بننا قبول نہیں کرتا۔ بلکہ زندگی کے حقائق سے براہِ راست علاقہ رکھتا ہے۔ یا اس کی پرچھائیوں کو پسِ منظر میں دھکیلتے ہوئے زندگی کی سٹیج پر ایک چابکدست، ماہرِ فن کردار کا پارٹ ادا کرتا ہے یا کم از کم ادا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس زمرہ میں ناشر و مبلغ، مصلح قوم، اشتراکیت پسند ارکان شامل ہیں۔ انتہا درجہ کے Introvert کو Dementia Praecox میں مبتلا سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ عالمِ خیال میں بسنے کی بنا پر حقیقت کی دنیا سے تمام رابطے توڑ بیٹھتا ہے اور ایک موہوم، قیاسی مملکت آباد کر لیتا ہے جس کی واحد فرمانروا اس کی اپنی ہستی ہے۔ انتہا درجہ کے Extrovert کو Hysteric خیال کیا جاتا ہے۔

کم وبیش ہر فرد Introvert یا Extrovert ہے بہت کم لوگ سراپا Introvert Extrovert ہوتے ہیں۔ اور حقیقت میں اکثریت ان کی ہے جو دونوں میں سے کسی خاص طبقے سے تعلق نہیں رکھتے۔ بلکہ کسی حد تک Extrovert اور کسی حد تک Introvert ہوتے ہیں۔ یہ لوگ ambiverts کہلاتے ہیں اور معتدل مزاج کے مالک گردانے گئے ہیں۔

خالدہ نذیر

رُباعیات

تلاش

انسان حقیقت کو تری کیا پائے
فہم ناقص میں اس کی کیوں کر آئے
پانا ترا مشکل بھی ہے، آسان بھی ہے
کھوئے اپنے کو جو، تجھے پا جائے!

استدعا

قسمت کبھی دُنیا میں پلٹ جائے مری!
یہ زندگی خیر سے نپٹ جائے مری!
بے فکر نہ ہوں، تو فکر ہی دے مجھ کو!
کچھ زیست اسی حیلہ سے کٹ جائے مری!

سوال

بندہ ترا ہر وقت تری چاہ میں ہے
اور ڈھونڈتا پھرتا تجھے ہر راہ میں ہے
پہنچے کبھی زیرِ عرش اس کی آواز
کیا اتنی رسائی بھی مری آہ میں ہے!

اُمیّد

کب ہم سے تری حمد و ثنا ہوتی ہے؟
بندہ کی خطا پر بھی عطا ہوتی ہے!
اُمید اگر ہے تو ترے عفو سے کچھ
ہر وقت یہاں ورنہ خطا ہوتی ہے!

توبہ

گو تجھ سے ہوا کرتی ہے ہر وقت خطا
ہے فضل مگر رب کا ترے کتنا بڑا!
ہے جینے جی ہر وقت کھلا توبہ کا در
دھو لے ہاتھ جب تلک ہے بہتی گنگا!

(باقی کالم ۱ پر)

(بقیہ کالم دوم)

نیک و بد

آ! تجھ کو بتاؤں نیک و بد کی پہچان
ہے نیک تو یا بد، مگر اتنا رکھ دھیان
ہر وقت طبیعت سے سمجھ خود کو بُرا
اچھا بننے کا ہے یہی پختہ نشان

بصیر صدیقی بدایونی

چھایا

(ایک ایکٹ کا ڈرامہ)

پہلا منظر

(شام ہونے کو ہے، سورج غروب ہو رہا ہے، آسمان پر شہابی دھندلکے چھا رہے ہیں۔ شہر کی ایک تنگ گلی۔ چھوٹا سا مکان۔ دو کمرے اوپر کی منزل میں۔ نیچے تنگ صحن۔ برآمدے کے کونے میں چولہا۔ رادھا کھانا پکانے میں مصروف ہے کشوری کرسی پر بیٹھے پرچہ دیکھ رہے ہیں۔ چھایا اوپر کی منزل میں بیٹھی کوئی کتاب پڑھ رہی ہے۔)

رادھا: "تو بس باپ بیٹے ہی آئیں گے؟"

کشوری: (پرچہ کا صفحہ موڑتے ہوئے) "ہاں کل ٹھیک ۹ بجے وہ لوگ یہاں آجائیں گے" (اوپر چھایا سننے کی کوشش کرتے ہوئے کتاب بند کر دیتی ہے)

رادھا: "لڑکے کے باپ سے تو آپ کی مفصل بات چیت ہو چکی ہے نا؟"

کشوری: "اب باپ کا سوال ہی نہیں، کیا اس دفعہ سارا معاملہ باپ ہی سے طے نہیں ہوا تھا!" (چھایا کے چہرے کا رنگ بدل جاتا ہے۔ وہ کتاب لئے ہوئے اٹھتی ہے پھر بیٹھ جاتی ہے) "آفت تو ان لڑکوں کی وجہ سے ہے نہ جانے آجکل کے لڑکوں کو کیا ہو گیا ہے۔۔۔!" (جھنجھلاتے ہوئے) "زمانہ بالکل ہی بدل گیا ہے یہ کہانیاں قصّے، مضامین اور پھر سینما، فلم کے پردے پر جانے کیا کیا پڑھتے اور دیکھتے ہیں کہ پھر گھر میں بھی وہی کرنا چاہتے ہیں۔ اپنی زندگی کو اسی کی نقل بنانا چاہتے ہیں" (چھایا فکرمندی سے کتاب فرش پر رکھ دیتی ہے)۔

رادھا: "آگ لگے ان سینما گھروں کو اور بھاڑ میں جائیں یہ لکھنے والے اگر اب کی مرتبہ کچھ نہیں ہوئی تو میں تو کہیں کی نہ رہونگی"۔

کشوری: (بات کو ٹالتے ہوئے) "اوپر کا کمرہ تو سب ٹھیک ہے نا؟ سونے سے پہلے ایک بار پھر ذرا دیکھ لینا ہر شے قرینے اور سلیقے سے ہے یا نہیں، پڑوس سے ڈاکٹرنی صاحبہ کو بلا کر پوچھ لینا ممکن ہو تو وہ مشورہ دے دیں گی۔ کل جلدی میں کچھ بھی نہ ہو سکے گا۔"

رادھا: "کمرہ ومرہ تو سب ٹھیک ہو ہی جائے گا لیکن! چھایا؟"

(چھایا یہ سن کر گھبرا سی جاتی ہے اور کسی اندرونی جذبہ کے تحت چہرہ پر رنج و غم طاری ہو جاتا ہے)

کشوری: (چڑکر) "چھایا کیا؟ چھایا کے لئے پہلے ہی کا سب سامان سب چیزیں جو موجود ہیں۔ اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو ابھی کہہ دو، رہا اور باتوں کا سوال تو شیاما نے اسے سب سمجھا ہی دیا ہوگا نا۔۔"

رادھا: "سمجھا تو دیا ہے لیکن پہلی دفعہ یعنی اس واقعہ کے بعد سے میری بچی ابھی تک سنبھل نہ سکی ہے، اس کا چہرہ دن بدن کیسا ہوتا جا رہا اس دن سے کسی سے بولتی بھی نہیں"۔

کشوری: (کھانے کی طرف آتے ہوئے) "چھایا تو ابھی بچی ہے اس دن سے تو یہی دل چاہتا ہے کہ کوئی مجھ پر نظر نہ ڈالے، چوروں کی طرح راستے کاٹتا جاتا ہوں۔ پر کیا کروں باپ ہوں باپ!"

رادھا: "اے آپ کا کیا؟ آپ تو کام دھندے میں بھول بھی جاتے ہوں گے۔ پر یہاں تو دن بھر عورتوں کی طعن تشنیع میں گزرتا ہے۔ ہمدردی نہیں آگ پر تیل ہوتا ہے"

کشوری: "اسی دن کیلئے تو لڑکی ہونا اکھرتا ہے" (چھایا کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگتے ہیں)

رادھا: "ہماری تو جب شادی ہوتی تھی، یہ معلوم نہ تھا کیسے اور کس طرح سے ہوئی ابھی یاد ہے کہ باپ کے گھر سے یہاں چلی آئی"۔

کشوری: "میں اگر تمہیں دیکھنے جاتا اور پسند نہ کرتا تو؟" **رادھا:** "رہنے دو ان باتوں کو"۔

دوسرا منظر

(دنیا سو رہی ہے مگر چھایا کی آنکھوں سے نیند دور ہے وہ رہ رہ کے باپ کے الفاظ دہراتی ہے۔ اسی لئے بیٹی کا ہونا اکھرتا ہے۔ اور کہتی ہے ظلمت شب کے مونس، چاند تارو تم بھی سنو، باپ کو بیٹی ہونا کھلتا ہے، کیوں؟ تم بھی نہیں بتاتے۔ تمہاری آنکھیں تو صدیوں سے ایسے واقعات دیکھتی آئی ہیں! اے بے سہاروں کا سہارا۔ اے۔۔۔ ! کیا ضرورت تھی میرے پیدا کرنے کی؟ تیری

خدائی میں کوئی کمی نہ آتی۔ یہ دنیا پھر بھی یونہی چلتی رہتی! میرا جیون میری زندگی۔ صرف میرے لئے ہی باعث ننگ نہیں، بلکہ یہ وجود ماں باپ کے لئے بھی مصیبت اور شرم کا باعث بن گیا ہے۔ آہ! ... ! ہائے بھگوان! انہیں کیسا دکھ کیسا کشٹ ہو رہا ہے مگر یہ کس کارن! ایسا کیوں؟ یہی نا کہ میں لڑکی ہوں! ان کی امید کا سہارا، آرزوؤں کا مرکز، ضعیفی کا، بڑھاپے کا آتا نہ نہیں ہوں مجھ پر جو اٹھے گا وہ اکارت جائے گا، میں پرایا دھن ہوں! انھیں میری فکر ہے، خاندان کی بدنامی کا فکر ہے، سماج کے اجارہ داروں کی انگشت نمائی کا ڈر ہے، کیونکہ میں لڑکی ہوں! ایسی ہستی جس کی زندگی سے دوسروں کو اور والدین کو دکھ ہوتا ہے وہ زندہ ہی کیوں رہے؟ میں نے سنا ہے کہ وہ والدین، پیدا کرنے والے، ایک ایسی ہستی کو وجود میں لانے والے جس کے باعث جنتا، سماج، خاندان اور خود فکر اور دکھ میں مبتلا ہو رہے ہیں۔ مجھے وجود میں لانے والے ہیں بھگوان کے بعد رکھشک ہیں! ماتا ہیں، دیوی ہیں، جنتی ہیں! اُف! اُف! کتنے دھوکے ہیں، کوئی مجھ سے پوچھے، کاش! وہ صرف ماتا پتا، ہوتے صرف ماتا پتا، لڑکی اور لڑکے کے تفاوت سے بے نیاز ماتا پتا! (آنسوؤں کی لڑیاں رخسار پر بہہ نکلتی ہیں) یہ زندگی یہ صحت یہ روپ، یہ تعلیم، سب کس لئے، کس کی پسند کے لئے، پسند ہاں صرف ایک پسند کے لئے! جیسے کسی گلدان پر بازار میں رکھنے کے لئے اچھے نقوش بنائے جاتے ہیں۔ بس بالکل یہی، کیا میں بھی کوئی بے جان شئے ہوں، طاق، ٹیبل یا الماری کی زینت! میں پسند کی جاؤں گی کیا کسی کی پسند مجھے مایہ افتخار بنا دے گی، ورنہ نہیں۔ لیکن... اور اگر میری پسند... ! (ایک خاص عزم اور فاتحانہ انداز سے اٹھتی ہے اور دیوی مورتی) کی تصویر کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑی ہو جاتی ہے)

تیسرا منظر

(بالائی منزل کا کمرہ، مغربی، مشرقی طرز کے ملے جلے انداز سے سجا ہوا ہے۔ ایک صوفہ، چند آرام کرسیاں، ایک چوکی پر آسن، کونے میں ایک چھوٹی میز پر ہارمونیم، دوسری جانب کچھ کتابیں، رمیش صوفے کے بازو پر بیٹھا ہوا متحیر نگاہوں سے کمرے کو تک رہا ہے۔ چہرے کی کیفیت کبھی پریشان کبھی مسرور، ایک اچٹتی نگاہ ہر چیز پر ڈال رہا ہے اور حیران سا ہے۔ ایک آہٹ (دروازہ کھلتا ہے) سے سنبھلنے کی کوشش کرتا ہے (اسی اثناء میں کمرے میں چھایا نہایت نفیس سفید ساری میں داخل ہوتی ہے) ساری میں چھپے ہوئے ہاتھوں ہی سے پرنام کا اشارہ کرتی ہے۔ رمیش بھی محض اشارہ ہی سے جواب دیتا ہے ... دو دل انجنوں کی طرح دھڑک رہے ہیں لیکن دونوں کے لبوں پر سکوت طاری ہے۔ رمیش نظر اٹھانے کی کوشش کرتا ہے مگر جیسے ڈر سا جاتا ہے آخر سوچتا ہے "آخر میں یہاں کس لئے آیا ہوں؟ یونہی آخر کب تک... ؟)

رمیش (لڑکھڑاتے لہجہ میں) "آ... آیئے آیئے تشریف رکھئے آپ کا اسم شریف... ؟"

چھایا۔ (سہم سی جاتی ہے) "ہلکی آواز میں۔ چھایا!"

رمیش۔ "آپ کہاں تک پڑھی ہیں؟"

چھایا۔ "یہ تو پتا جی سب کچھ پہلے ہی بتا چکے ہیں۔"

رمیش۔ (حیرانی اور پریشانی کو چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے) "اوہ! لیکن! لیکن میں تو چاہتا ہوں کہ آپ خود بتائیں۔"

چھایا۔ خاموش (کمرہ میں پھر خاموشی چھا جاتی ہے۔ دیر تک یہی کیفیت رہتی ہے۔

رمیش۔ "اچھا۔ اور... " اٹھ کر جانے کی کوشش کرتا ہے۔

چھایا۔ (اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے) ذرا ٹھیریئے (ایک لخت چہرہ سے آنچل اٹھا دیتی ہے۔ کمرہ میں بجلی کی سی چمک پیدا ہو جاتی ہے ایک لمحہ کے لئے رمیش کی نگاہیں اٹھتی ہیں اور پھر جھک جاتی ہیں)

... مجھے آپ کو مخاطب کرنے میں بہت ہی دقت اور ہچکچاہٹ پیش آ رہی ہے لیکن خیر چونکہ آپ اس گھر کے مہمان ہیں نا اس لئے میں اسی نام سے آپ کو مخاطب کروں گی۔ کیا میں بھی کچھ پوچھنے کی جرأت کر سکتی ہوں؟

رمیش۔ (گھبرا کر) ضرور... ضرور!"

چھایا۔ "آپ یہاں کس لئے پدھارے ہیں؟"

رمیش۔ "آپ کو دیکھنے کے لئے!" (مسکرا دیتا ہے)

چھایا۔ (ہونٹ بھینچ کر) وہ کیوں ؟ "

رمیش۔ (انتہائی رومانی انداز سے) جس کے ساتھ میں زندگی کا بندھن کرنا چاہتا ہوں اسے اپنی خواہش کے مطابق پسند کرنا تاکہ پُرسکون زندگی کا ہر لمحہ ہمارے پریم بندھن کو اور مضبوط کرتا رہے۔۔۔!"

چھایا۔ (طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ) میں آپ کے ان اونچے خیالوں کی قدر کرتی ہوں لیکن ایک سوال اور۔۔ "

رمیش۔ (بات کاٹ کر) "پوچھئے۔۔ فرمائیے!"

چھایا۔ "کیا آپ اپنے ماتا پتا۔ بھائی بہنوں وغیرہ کو پیار کرتے ہیں ؟"

رمیش۔ "کون نہیں کرتا ہوگا!"

چھایا۔ "کیا انہیں آپ نے اپنی خواہش کے مطابق تلاش کیا تھا ؟"

رمیش۔ "یہ تو انشور کی دین ہے لیکن اس معاملہ میں آنکھیں ہوتے ہوئے جہنم میں نہیں کودا جا سکتا۔ کچھ نہ کچھ دیکھنا ہی پڑتا ہے "۔

چھایا۔ "کیا دیکھنا پڑتا ہے ؟"

رمیش۔ (جھینپ کر) یہی کہ لڑکی اندھی لنگڑی لولی تو نہیں ہے بے شعور اور کچھ بہری تو نہیں!"

چھایا۔ مگر۔۔ مگر آپ وہ بھی تو نہیں دیکھ سکتے نا! اس کمرے کی سج دھج سے دھوکا نہ کھائیے۔ اس میں ایک تہائی سامان اس وقت کے لئے عارضیتاً جان پہچان والوں سے فراہم کیا گیا ہے۔ یہ سلیقہ اور صفائی ماتا جی اور پڑوس کی ایک شرمتی کا رہین منت ہے میرا اس میں کوئی دخل نہیں، مجھے آپ محض ایک اُلڑھ نادان لڑکی سمجھ لیجئے جسے غنیمت لگانے کے لئے باپ نے انٹرمیڈیٹ کی ڈگری دلادی ہو۔۔۔! اور ہاں دیکھئے میرے دائیں ہاتھ پر ایک بدنما نشان ہے میرے بائیں پاؤں میں چھنگلیا ہے۔ میرے یہ بھرے بھرے عارض جو مجھے جاذب توجہ بنائے ہوئے ہیں۔ اندر کو پچکے ہیں۔ اس وقت چونکہ عقل ڈاڑھ نکل رہی ہے اس لئے ورم کر آئے ہیں۔" (رک جاتی ہے) رمیش کھسیانا سا منہ تکتا رہ جاتا ہے۔ اس وقفہ میں چھایا کا چہرہ کئی رنگ بدلتا ہے پھر یہ الفاظ سنائی دیتے ہیں) "میرے دوست! محترم دوست یقین کیجئے کسی غیر مرد سے بولنے کا مجھے آج تک موقعہ نہیں ملا اور چونکہ یہ پہلا موقعہ ہے اس لئے میری زبان بار بار لڑکھڑا رہی ہے۔۔!

مہربان آپ چھایا کو دیکھنے آئے تھے لیکن چھایا ایک سایہ ہے آپ تو روشنی میں بھی اسے نہ دیکھ سکے۔ تاریکی کا تو کہنا ہی کیا؟ ماں باپ کے گھر، اس در و دیوار پر منڈلاتے ہوئے ۱۸ سال ۷ ماہ ہو گئے ہیں لیکن وہ بھی چھایا کو صحیح طور پر نہ دیکھ سکے نہ سمجھ سکے حیرت تو اس امر کی ہے کہ آج سے پہلے میں بھی اپنے آپ کو نہ پا سکی۔ نہ پہچان سکی، تو بھلا اس سائے کو آپ کیا دیکھ سکتے ہیں؟ جس زندگی اور مزاج کو بننے میں آج ۱۸ سال بیت گئے آپ اسے ایک لمحہ میں دیکھنے آئے ہیں۔۔ (مسکرا دیتی ہے)۔۔ دل کی گہرائیوں کے رنگ ڈھنگ اوڑھنے کی چیزوں کی طرح سرسری نظروں سے نہیں دیکھے جا سکتے۔ معاف کیجئے! ایک زندگی بھی اس کے لئے کم ہے! آپ نہیں سمجھ سکتے۔ اس مختصر سی ملاقات کے لئے ہمیں کس قدر روحانی کوفت اٹھانی پڑی ہے۔ اگر میں مغربیت میں رنگی ہوئی آزاد۔۔ (رمیش کچھ کہنا چاہتا ہے لیکن چھایا کے الفاظ برابر سنائی دے رہے ہیں) ماڈرن لڑکی ہوتی تو آپ جیسے سینکڑوں کو ٹھکرا چکی ہوتی اور بیسیوں کے گلے کا ہار بنتی مگر مگر میں تو زندگی کا پرتو ہوں فقط ایک سایہ موہوم سا! (کچھ رک کر) اس وقت جب آپ نے شادی بڑھوا کر مجھے دیکھنے کی ضد کی میرا وجود ماں باپ کے لئے منحوس اور بار ہو گیا۔ بلکہ خود اپنے پر بوجھ بن گئی۔ میری روح گھٹ گئی کیونکہ آپ سے پہلے ساہو اور انکار کر چکے تھے! اور اب آپ کی باری ہے! اس لئے میں نے خود ہی یہ عزم کر لیا ہے کہ زندگی اور روح کو پابند سلاسل رکھنے کی بجائے آزاد اور خود اختیار ہی رکھوں اور ایک بار اس حس قومی کو ٹھکرا کر روح کی تشنگی کو اس انتقام سے بجھا لوں! ہماری زندگیوں کی بہار کیا صرف آپ کی پسند اور ناپسند پر ہی منحصر ہے۔۔ اور ہماری پسند۔۔ ؟ مگر ہم۔۔

رمیش۔ (بات کاٹ کر۔ ہاتھ جوڑ کر معافی کی خواہش کرتے ہوئے) دیوی چھایا رانی تم نے میری آنکھیں کھول دیں مجھے زندگی کے روشن پہلو سے ہمکنار کر دیا ہے میں وعدہ۔۔ (چھایا بدستور بولتے ہوئے) مگر ہم تو مورکھ ہی گائے ہیں۔۔

(باقی صفحہ ۲۸۶ کالم ۲ پر)

اسلام سے قبل مشرقی عورت کی حالت

عصمت بٹی

اسلام سے قبل مرد عورت کے جنسی تعلقات کم و بیش تمام مشرق میں اور مخصوص طور پر عربوں میں حیوانات کے سے تھے لیکن جب اسلام کی بنا ڈالی گئی، اور عورتوں کو مثل بھیڑ بکریوں کے دیکھا گیا تو ذیل کا قانون جاری کیا گیا:-

"اے مسلمانو! تمہاری مائیں، بہنیں، پھوپیاں، خالائیں بھتیجیاں، بھانجیاں، دائیاں، دودھ کی شریک بہنیں، تمہاری ساسیں، یہ سب تم پر حرام ہیں۔ اور جن عورتوں کے ساتھ تعلقات رکھ چکے ہو ان کی بیٹیاں، جو تمہاری گودوں میں پرورش پاتی ہیں۔ تم پر حرام ہیں لیکن جن عورتوں سے ایسے تعلقات نہیں ان کی لڑکیوں کے ساتھ نکاح کر لینے سے تم پر کوئی گناہ نہیں۔ اور تمہارے بیٹوں کی بیویاں بھی تم پر حرام ہیں۔ نیز دو بہنوں کا ایک ساتھ نکاح میں رکھنا بھی تم پر حرام ہے۔" سورہ نساء

ان احکام نواہی سے ظاہر ہے کہ جن اقوام کے لئے ایسے احکام کی ضرورت محسوس ہوئی، ان کے اخلاق و عادات کیا تھے؟

زمانہ جاہلیت میں عورت کا درجہ کیا تھا؟ یہ کہ انسان و حیوان کے درمیان ایک مخلوق، جن کا مصرف محض ترقی نسل اور مرد کی خدمت کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ لڑکیوں کا پیدا ہونا انتہائی بد نصیبی سمجھا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ ان کو زندہ دفن کر دینے کا عام دستور تھا۔

رسکو کوسان دی پرسوال نے رسول اکرمؐ و قیس بنی تمیم کے مکالمہ کو اس طرح نقل کیا ہے۔ ایک موقع پر آنحضرت صلعم ایک بچی کو زانو پر بٹھا کر کھلا رہے تھے کہ قیس نے پوچھا۔

"یہ کس جانور کا بچہ ہے۔ جسے آپ کھلا رہے ہیں؟"

رسول اکرمؐ:- "یہ میرا بچہ ہے۔"

قیس:- "باللہ العظیم میری بہت سی لڑکیاں پیدا ہوئیں لیکن میں نے ان سب کو زندہ دفن کر دیا۔"

رسول اکرمؐ:- "اللہ نے تیرا دل انسان کی محبت کے لئے نہیں بنایا ہے۔ تو ایک نعمت عظمیٰ سے جو انسان کو دی گئی ہے محروم ہے۔"

یورپ کے اکثر و بیشتر مورخین اس پر متفق ہیں کہ "اسلامی تمدن نے عورتوں کو بالکل وہی درجہ دیا تھا، جو تقریباً مردوں کا تھا۔ اور اس روش نے اندلس کے عربوں تک میں سپاہیانہ اسپرٹ پیدا کر دی تھی، اس لئے کہ یہ اہم ضرورت پر مردوں کے دوش بدوش کام کرتی تھیں۔"

مورخین یورپ اس بات کے قائل ہیں کہ "اہل یورپ میں سپاہیانہ اسپرٹ کا ایک بڑا جز عورتوں کی معیت ہے، اور یہ رواج عربوں سے یورپ نے سیکھا ہے۔"

یورپ کا مورخ کہتا ہے کہ گاران لے لہرین کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ شارلیمین نامی عیسائی بادشاہ کے عہد میں عیسائی عورتوں کے ساتھ جانوروں سے بدتر سلوک کیا جاتا تھا۔ خود شارلیمین نے دوران بحث میں اپنی بہن کے بال پکڑ کر اس کو ایسا مارا کہ اس کے تین دانت توڑ دیئے۔

موسیو مارتھالیمی سینٹ ہیلر کہتا ہے:- "اسلام نے عورتوں کی بہت اصلاح کی ہے، اور یہی مذہب ہے جس نے ایسا کیا۔"

موسیو تراب لانگ لکھتا ہے:- "اسپارٹہ میں اس بدنصیب عورت کو جس کے خلاف فطرت بچہ پیدا ہوتا، جان سے مار دیا جاتا تھا۔ اور اس عورت کو بھی ہلاک کر دیا جاتا تھا جس سے قوی سپاہی بچہ پیدا ہونے کی امید نہ ہوتی تھی۔"

یہی مصنف آگے چل کر لکھتا ہے کہ "جس وقت کسی عورت کے بچہ ہو سکتا تھا۔ تو فوائد ملک کی غرض سے، دوسری نسل لینے کے لئے اسے دوسرے آدمی کے سپرد کر دیا جاتا تھا۔"

یونانی اپنے اعلیٰ سے اعلیٰ تمدن کے زمانہ میں بھی، بجز طوائف کے کسی "شریف" و "نجیب" عورت کی قدر نہیں کرتے تھے۔

...ب کا قانون کہتا ہے "تقدیر، طوفان، موت، جہنم، زہر
...پ۔ ان میں سے کوئی اتنا خطرناک نہیں ہے جتنی عورت"
...میں لکھا ہے کہ "عورت زہر سے زیادہ تلخ ہے" عہد قدیم کے
باب ... میں لکھا ہے کہ "خدا کا پیارا اپنے تئیں عورت سے بچائے گا، ہزاروں مردوں
میں ایک خدا کا پیارا مل جاتا ہے لیکن تمام عالم کی عورتوں میں ایک بھی خدا کی پیاری نہیں ہوتی"۔
...منی کہتا ہے "اپنی عورت کی بات تو سننا چاہئے لیکن اس
پر ہرگز یقین نہیں کرنا چاہئے" روسی کہتا ہے "دس عورتوں میں
ایک روح ہوتی ہے"
اسٹیلین کا قول ہے "گھوڑا اچھا ہو یا برا، اسے مہمیز کی ضرورت
ہے۔ عورت اچھی ہو یا بری اسے مارنے کی ضرورت ہے"
اسپین والوں میں مثل مشہور ہے "بری عورت سے بچنا چاہئے
مگر اچھی عورت پر بھی بھروسہ نہیں کرنا چاہئے"
منو کا قانون ہے "عورت بچپن میں باپ کی مطیع ہے۔ جوانی
میں شوہر کی، شوہر کے بعد بیٹوں کی۔ اگر بیٹے نہ ہوں تو اقرباکی،
کیونکہ کوئی عورت ہرگز اس لائق نہیں کہ وہ خود مختار طور پر زندگی بسر
کر سکے"
منو کا قول ہے جس کا مفہوم یہ ہے "عورت ایک گائے
کے مانند ہے، جو جگہ جگہ کی گھاس چگتی رہتی ہے"
ہندوستان کے اسی مقنن نے ایک جگہ لکھا ہے کہ "کسی
عورت کو بدکار کہنے کے لئے اسی قدر کافی ہے کہ وہ کسی مرد کے
ساتھ اتنی دیر علیحدہ رہی ہو، جتنی دیر میں ایک انڈا ابلا جا سکتا ہو"
برخلاف اس کے اسلام کا قانون یہ ہے کہ "تمہاری عورتوں
میں سے جو عورتیں بے حیائی کی مرتکب ہوں تو چاہئے کہ اپنے آدمیوں میں
سے چار آدمیوں کی اس پر گواہی لو، اگر چار گواہ شہادت دیدیں تو ایسی
عورتوں کو گھروں میں بند رکھو، یہاں تک کہ ان کو موت آجائے"
کتنا باریک نکتہ ہے، کس درجہ عورت کی رعایت کو مدنظر
رکھا گیا ہے؟ اور کس بلند درجہ پر عورت کی آبرو کو پہنچایا گیا ہے؟
کہ جب چار آدمی گواہی دیں گے، تب کہیں عورت مجرم گردانی جائے
گی ورنہ نہیں۔ پھر بتایا جائے کہ دنیا میں کتنے کیس ایسے ہوئے ہیں
جن پر چار آدمیوں کی گواہی گزری ہو؟ یا گزر سکتی ہو؟ یہ اتنا باریک
نکتہ ہے کہ ایک معترض اس پر یہ اعتراض کر سکتا ہے کہ اس پردے
میں بڑی حد تک عیاشی ہے۔
لیکن اول تو رسولؐ کا فرمان ہے کہ کوئی جوان ماں بیٹا،
کوئی جوان بھائی بہن، اور کوئی جوان بیٹی باپ تنہا نہیں رہ سکتا،
کہ تنہائی اور صرف تنہائی نام ہے بے پردگی و آوارگی کا، جب خون
اور دودھ کے شریکوں کو تنہا رہنے سے روکا گیا ہے، تو غیر کے
ساتھ تنہا عورت کسی صورت سے نہیں رہ سکتی، اور جب نہیں رہ سکتی
تو چار گواہ تو کجا، ایک گواہ بھی نہیں گزر سکتا۔
دوسرے یہ کہ اسلام نے اپنی عورت کی حرمت کس طور پر
کی ہے؟ کہ جو آج تک کسی کو نہ سوجھی۔ اور حقیقت یہ ہے کہ خلوت
ہی میں سب کچھ ہو سکتا ہے جلوت میں کچھ نہیں ہو سکتا۔
بہر نوع اسلام نے عورت کو مرد کی غلامی سے آزاد
کرا کر عزت بخشی ہے، ایسی جو کسی مذہب نے نہیں بخشی۔ لیکن
آج کے مسلمانوں نے اس کی صورت کو مسخ کر کے دنیا میں بدنامی
حاصل کر لی ہے۔
باوجود اسلام کی اس آزادی کے، آج دنیا پکارتی ہے کہ
اسلام نے عورت کو قید و بند میں رکھ کر جہالت کا ثبوت دیا ہے
حالانکہ یہ اسلام کا قانون نہیں، بلکہ آج کے نام نہاد "مولوی"
کا ہے۔ پھر آج کی تعلیم یافتہ عورت مولوی کی طرف کیوں دیکھتی
ہے؟ کیوں نہیں حقیقت کو سمجھتی؟ اگر آج کی گریجویٹ عورت
قانون کی نفس حقیقت کو سمجھ لے، تو یقیناً یورپ کے اس
آنے والے سیلاب آوارہ سے بچ سکتی ہے، اور اپنی نسل میں
وہ سپاہیانہ اسپرٹ پیدا کر سکتی ہے، جو آج یورپ میں اور
یورپ کی رگ رگ میں کام کر رہی ہے۔

امام اکبر آبادی

کپڑوں کی حفاظت

فروری کے عصمت میں محترمہ بہن خالدہ شمیم صاحبہ نے لباس
کو محفوظ رکھنے کے بہترین طریقے لکھے ہیں لیکن چند مفید باتیں
جن سے واقفیت ضروری ہے۔ بہن موصوفہ نظر انداز فرما گئیں
کپڑوں کی پائیداری ہنرمند عورت کی سلیقہ شعاری پر منحصر
ہے۔ اور ہر خاتون کا فرض ہے کہ وہ بقدر امکان چیزوں کی
حفاظت کرے۔ سب سے پہلا اور بڑا کام کپڑے کو ظالم چوہوں
سے بچانا ہے۔ اکثر بہنیں میلے کپڑوں کو بے ترتیبی سے ادھر
ادھر رکھ دیتی ہیں۔ یا رسی کی الگنی پر لٹکا دیا جاتا ہے۔ جو بعض
اوقات زیادہ بوجھل ہونے پر نیچے ٹک آتی ہے۔ اور کپڑے
زمین بوس رہتے ہیں اس سے قدرے بہتر طریقہ تو یہ ہے
کہ بجائے رسی کے تار کی الگنی بنائی جائے۔ جو کہ زمین
سے کافی اونچی ہو۔ اس طرح کچھ حفاظت ہو جاتی ہے مگر وہ کپڑے
جن میں کوئی کھانے کی چیز یا شیرینی لگ جاتی ہے۔ اس طرح
قطعی محفوظ نہیں رہ سکتے خصوصاً بچوں کے کپڑے تو یقیناً ان
چیزوں سے آلودہ ہو جایا کرتے ہیں۔ اس لئے چوہے ضرور
نقصان پہنچاتے ہیں۔ ان کے ساتھ ہی اور کپڑے بھی برباد
ہو جایا کرتے ہیں۔ ان موذیوں سے بچنے کی آسان ترکیب تو یہ
ہے کہ ایک خوبصورت بلی پال لی جائے۔ اس کی آواز سنتے ہی
چوہے بھاگ جاتے ہیں۔ اور پھر سوراخوں سے نکلنا تو کجا امکان
کو بھی چھوڑ دیتے ہیں۔ دوسری ترکیب لباس کو محفوظ رکھنے
کی بے حد مفید اور آسان یہ ہے کہ بجائے ٹانگنے کے اگر کسی
مضبوط صندوق میں میلے کپڑے سکھا کر تہہ کر کے رکھ دیئے
جائیں تو زیادہ اچھا ہے۔ بچوں کی بھی یہی عادت ڈالنی چاہئے
بعض اوقات جلدی میں یونہی بغیر دیکھے ہوئے کپڑے
دھوبی کو دے دیئے جاتے ہیں۔ اور آنے پر اطمینان سے
صندوق میں محفوظ کر دیئے جاتے ہیں۔ یہ طریقہ بعض دفعہ
بہت تکلیف دیتا ہے۔ مثلاً کسی کام کی وجہ سے کپڑے
جلد بدلنا پڑے یا دفتر جانے میں دیر ہو رہی ہے۔ ایسی صورتوں
میں کپڑے تبدیل کرتے وقت اگر پائجامہ یا قمیص پھٹی ہوئی
نکلی تو یقین کیجئے۔ اس وقت آپ کو انتہائی خفت اٹھانی پڑے
گی۔ اور مردوں کو الگ تکلیف ہوگی۔ اگر آپ سوئی دھاگہ
لے کر بیٹھ بھی گئیں تو وہ صفائی عجلت میں نہیں آ سکتی۔ جو
نفاست اطمینان و سکون سے مرمت میں ہوتی ہے۔ اس لئے
دھوبی کو دھونے سے قبل ہر کپڑے کو اچھی طرح دیکھ لینا
چاہئے۔ اور جو کپڑا قابل مرمت ہو اُسے درست کر دینا چاہئے
اس سے ایک فائدہ تو یہ ہے کہ دُھلنے کے بعد ٹانکے برابر آ جاتے
ہیں۔ اور دیکھنے میں بُرا نہیں معلوم ہوتا۔ دوسرے وقت پر
شرمندگی نہیں اٹھانی پڑتی۔ میں اُونی اور ریشمی لباس ہمیشہ
اپنے ہاتھ سے دھوتی اور درست کرتی ہوں۔ البتہ ایک
کپڑوں کے متعلق میں نہیں کہہ سکتی کہ دُھل سکتے ہیں یا نہیں
انشاء اللہ تجربہ کے بعد لکھوں گی۔ قیمتی کپڑے جہاں تک ہو سکے
گھر ہی میں دھو لینے چاہئیں۔ کیونکہ اکثر دھوبی چرا لیا کرتے
ہیں۔ ورنہ بٹن وغیرہ تو یقیناً غائب ہو جاتے ہیں۔ ریشمی اُونی
کپڑے صاف کرنے کے لئے وجے سلکو سوپ بہترین ہوتا
ہے۔ مگر کمیابی کے سبب سن لائٹ بھی اگر استعمال کر لیا جائے
تو کوئی مضائقہ نہیں، یہ بھی کافی اچھا ہے۔ ہر کپڑا اس سے
بخوبی صاف ہو سکتا ہے۔ اس کی آسان ترکیب یہ ہے کہ
پہلے کسی بڑی چیز میں نیم گرم پانی بھر دیجئے۔ پھر اس میں صابن
کا جھاگ اٹھا کر جو کپڑا دھونا ہو ڈال دیجئے۔ دو تین گھنٹے پانی
میں پڑا رہنے دیجئے۔ البتہ کبھی کبھی الٹ پلٹ دینا چاہئے
پانی اندر تک بخوبی پہنچ جائے۔ پھر ٹھنڈے پانی سے دھو کر
خوب صابن رگڑ دیجئے۔ اور ذرا دیر ہلکے ہلکے ہاتھ پھیرنے سے

دھوپ میں ڈال دیجئے۔ اس طرح سورج کی گرم شعاعوں
سے صابن جذب ہو کر کپڑے کو میل سے بالکل پاک کر دے۔
جب کپڑا خشک ہونے لگے تو تیز گرم پانی سے دھو کر کسی ہموار
جگہ پر پھیلا کر ہاتھ سے برابر کر لیجئے۔ خیال رہے کہ شکنیں نہ
پڑنے پائیں۔ اس کے بعد استری کر دیجئے۔ استری کے لئے
کافی مشق کی ضرورت ہے۔ استری تیز ہو نہ بہت ٹھنڈی
اگر تیز ہوگی تو کپڑے کو جھلسا کر بدنما داغ پیدا کر دے گی اور اگر
سرد ہوگی تو شکنیں صاف نہ ہوں گی۔ روئیں دار چیزوں پر
استری کرتے وقت اگر کوئی پرانا باریک کپڑا ڈال دیا جائے
تو بہتر ہے۔ استری پھیرتے وقت کپڑے پر پانی کی ہلکی ہلکی
چھینٹیں دیدینی چاہئیں۔ تاکہ جلنے کا احتمال نہ رہے۔ ہندوستانی
گھروں میں جس طرح اور ضروری چیزوں کے بغیر کام نہیں چلتا
اسی طرح اگر ہر گھر میں استری ہو تو کپڑے مدت تک نئے
معلوم دیتے ہیں۔ آج کل عام طور سے ساریوں کا رواج ہے
کیونکہ یہ اور لباسوں کے مقابلے میں خوبصورت اور سستی چیز
ہوتی ہے۔ لیکن اس کو خریدتے وقت بھی اکثر بہنیں دھوکہ
کھا جاتی ہیں۔ مثلاً فیشن کے مطابق بیش قیمت ساری خرید لی
کچھ عرصہ کے بعد بنارسی یا بنگالی ساری کا رواج ہو گیا اس
وقت آپ کی چیز حقیر سی ہو کر رہ جاتی ہے، لہذا بہنوں کو چاہئے
کہ بہت قیمتی ساریاں جو ایک وقت محض فیشن کے لحاظ سے بیکار
ہو جائیں نہ خریدیں۔ بلکہ اتنی قیمت میں دو تین خرید لیں۔ جو
ہر پارٹی اور ہر جلسہ کے مذاق کے موافق ہو، ہلکے رنگوں کی
ساریاں مناسب ہیں۔ کئی مرتبہ پہننے کے بعد اگر رنگ تبدیل
کر کے خوشنما بیل ڈورے کر لگا دیا جائے۔ تو دوسری قسم کی
نئی ساری بن سکتی ہے۔ مگر رنگنے میں بڑی احتیاط اور
ہوشیاری کی ضرورت ہے۔ جارجٹ رنگنے اور دھونے
میں سکڑ جایا کرتا ہے۔ اس لئے دھونے یا رنگنے کے بعد
جب تک کپڑا بالکل خشک نہ ہو جائے برابر ہاتھ سے ٹھیک
کرتی رہیں۔ "ڈرائی کلین" میں کپڑا خراب ہونے کا
اندیشہ تو نہیں رہتا۔ مگر آج کل کی روح فرسا گرانی کو دیکھتے
ہوئے اگر فضول خرچی سے گریز کیا جائے تو کیا ہرج ہے؟

میرے خیال میں اگر مندرجہ بالا ہدایات پر عمل کیا
جائے تو لباس یقیناً مدت دراز تک محفوظ اور نیا رہے گا
تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ ان گرم کپڑوں میں کیڑا جلد لگتا
ہے۔ جو میلے ہوتے ہیں۔ اس لئے اونی کپڑوں کو رکھتے
وقت اس بات کا خاص خیال رکھنا چاہئے کہ کافور یا فنائل کی
گولیوں پر میں نیم کی پتیوں کو ترجیح دوں گی۔ کیونکہ یہ سب
سے آسان سستا اور مفید نسخہ ہے۔ اس میں بو بالکل نہیں
آتی۔ اور لباس خطرناک کیڑوں سے محفوظ رہتے ہیں صاف
کر کے نیم کی پتیاں دھوپ یا چھاؤں میں رکھ کر خشک کر
لیجئے۔ پھر کپڑے کی ہر تہہ میں بچھا دیجئے۔ فنائل کی گولیوں
میں ناگوار بو ہوتی ہے۔ جو جلد دور نہیں کی جا سکتی۔ اگر
اچانک کہیں تقریب میں جانا ہو جائے تو بیش قیمت لباس
بھی تکلیف کا باعث ہو جاتا ہے۔ اور نازک دماغ خواتین
اکثر اسی لئے دردِ سر میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔ اس لئے بہنوں
کو چاہئے۔ ہمیشہ نیم کی پتیاں رکھا کریں۔

اصغری خاتون

(بقیہ صفحہ ۲۹۷)

اور جب کسی قابل ہو جاتے ہیں۔ تو ان کے آگے عاجزی
سے پیش آتے ہیں۔ والدین کی دعائیں، نعمت بیش بہا ہے
جو ان کے بعد کسی قیمت پر حاصل ہونی ناممکن ہے۔
جب ہی تو آبا جان نے ایک نظم میں فرمایا ہے۔

ماں باپ جیسی نعمت   دولت ہے یہ غنیمت
جو موقدم تم اُن کے   مہمان ہیں چند دن کے

واجدہ خیری

پھول میں پھول گلاب کا پھول

جب میں چھوٹی سی تھی، تو اماں جان فرمایا کرتی تھیں کہ آؤ بچو! ہماری ایک پہیلی تو بتاؤ۔ "پھول میں پھول گلاب کا پھول۔ کہیں آدھا، کہیں سارا کہیں ہے۔ کہیں ہے ہی نہیں۔" میں اکثر سُنا کرتی تھی۔ ایک روز میں نے اماں جان سے کہا۔ "اماں جان! پھول تو سب ہی اچھے اور خوشنما ہوتے ہیں۔ یہ کیا کہ "پھول میں پھول گلاب کا پھول"۔ اُنہوں نے فرمایا "بیٹی تم اس کا مطلب نہیں سمجھیں، یہ تو ٹھیک ہے کہ پھول سب خوشنما اور اچھے ہوتے ہیں۔ مگر تم کو اس کی وجہ بھی معلوم ہے۔ اس کی وجہ ہے۔ "ماں اور باپ"۔ یہ اس لئے سب سے اچھا ہے۔" میں نے کہا وہ کیوں کر؟ فرمایا۔ لو سُنو:۔

بعض بچے تو ایسے خوش نصیب ہوتے ہیں۔ جو اپنے والدین کے زیرِ سایہ پرورش پاتے ہیں۔ اور بعض ایسے بھی ہوتے ہیں، جن کے ماں باپ بچپن ہی میں گزر جاتے ہیں۔ اور بعضوں کے دونوں (ماں باپ) میں سے ایک بھی نہیں رہتا اور وہ بچارے حقیقی شفقت کو ترستے ہیں۔ جب ہی تو شیخ سعدیؒ نے کہا ہے ؎

چو بینی یتیمے سر افگندہ پیش
مدہ بوسہ بر روئے فرزند خویش

اسی لئے یہ مثل چلی آتی ہے کہ پھول میں پھول گلاب کا پھول یعنی محبت میں محبت صرف ماں اور باپ کی ہے جو نہ کسی بدلے کی توقع پر ہے نہ کسی صلہ کی امید پر۔ "کہیں سارا، کہیں ہے کہیں ہے ہی نہیں۔" اس کا مطلب یہ ہوا کہ کسی کی ماں ہے کسی کا باپ ہے کسی غریب کے دونوں میں سے ایک بھی نہیں۔

اماں جان نے یہ مثل کچھ اس طرح میرے ذہن نشین کی تھی کہ جب میں گلاب کا پھول دیکھتی تھی تو خدا کے آگے التجا کرتی تھی کہ الٰہی تو میرے پھول کو میرے سر پر سلامت رکھ۔ مگر میری یہ التجا قانونِ قدرت کے خلاف تھی۔ آخر پھول سے جُدائی کا وقت آیا اور فروری ۱۹۳۶ء کو ابا جان قبلہ کا انتقال ہو گیا۔ اور میں آدھے پھول کی خوشبو سے محروم ہو گئی۔

۳۶ء کے بعد جب میں اپنے گلاب کے پودوں کے قریب جاتی تو پھر یہی دعا مانگتی کہ بار الٰہا تو میرے آدھے ہی پھول کو سلامت رکھ، جس کی مہک میرے دل و دماغ کو معطر کر رہی ہے۔ (یعنی اماں جان کی محبت) مگر یہ فطرتِ انسانی کا تقاضا تھا قانونِ قدرت کے انتظام اٹل ہیں۔ اس کے آگے کسی کی مجال نہیں کہ ہوں بھی کر سکے۔ قانونِ قدرت کے مطابق وہ وقت بھی دیکھنا پڑا کہ ۱۹۔ مارچ ۱۹۴۴ء میں اماں جان معظمہ کا سایہ بھی میرے سر سے اُٹھ گیا۔

۱۹ مارچ کی صبح کو جب میں نے گلاب کا پھول دیکھا تو بے ساختہ میرے منہ سے نکلا ہاں ۱۸ مارچ ۱۹۴۴ء تک تو ہمارے پاس بھی آدھا پھول تھا۔ مگر آج ۱۹ مارچ ۴۵ء میں نہ ہمارے پاس آدھا پھول ہے نہ سارا۔ ہاں ہاں یہی ۱۹ مارچ کی وہ قیامت خیز رات تھی جس نے میری اماں جان کو مجھ سے ہمیشہ کے لئے جدا کیا تھا۔ اور مجھے ایک ایسے پھول کی مہک سے محروم کر دیا تھا جس کی خوشبو تادمِ واپسیں میسر نہیں ہو سکتی۔ میں جانتی ہوں اور اچھی طرح سمجھتی ہوں کہ جب رسول مقبول صلعم جیسی مقدس ہستی اس دنیائے ناپائدار میں نہ رہ سکی تو اور کون رہ سکتا ہے۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ

ہر چیز کو فنا ہے

مگر اے میرے بزرگ و برتر خدا تو اپنے کرم سے، اپنے رحم سے میری اماں جان اور ابا جان دونوں کو جنت کے باغ میں جگہ دے اور ان پر رحمت کی بارش کر۔

خوش نصیب ہیں وہ بہنیں اور بھائی جو اپنے والدین کی قدر کرتے ہیں۔ اور ان کی عظمت کو پہچانتے ہیں۔

(باقی صفحہ ۲۹۹ کالم ۲ پر)

کوہِ نندی میں ۲ دن

بغرضِ تفریح بہت دن سے نندی جانے کا خیال تھا۔ آخر اواخر جون میں اس کا موقعہ نکل ہی آیا۔ شنبہ کی صبح ایک کمپنی کی صورت میں سب چل کھڑے ہوئے۔ شہر بنگلور سے یہ پہاڑ تقریباً چالیس میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہاں سے پہاڑ پر کاروں سے چڑھائی ہوتی ہے۔ اس کا فاصلہ بھی چار یا پنچ میل یا اس سے کچھ کم ہوگا۔ کاریں چکر کاٹتی ہوئی اوپر چڑھتی ہیں۔ میل ڈیڑھ میل کا فاصلہ رہ جاتا ہے۔ تو چڑھائی بہت دشوار ہو جاتی ہے اور یہیں سے قلعہ کی فصیلیں جو آج بھی ٹوٹی پھوٹی صورت میں موجود ہیں۔ شروع ہوتی ہیں۔ اس دشوار گزار راستہ کو دیکھ کر یہ حیرت ہوتی ہے کہ ایسے مقام پر قلعہ کیوں کر تعمیر کیا گیا ہوگا اب بالکل مسمار ہو گیا ہے۔ اور صرف اس کی فصیلیں اس کی یادگار رہ گئی ہیں) پہاڑ پر قلعہ کے علاوہ چند تاریخی یادگاریں اور بھی ہیں۔ مثلاً ٹیپو ڈراپ۔ زمین دوز خفیہ راستے اور مندر وغیرہ۔

شنبہ کو دن کے ڈھائی بجے نندی ہل پر پہنچے یہاں پہاڑ کے دامن میں کاریں گاندھ میں چھوڑ دیں اور پیدل روانہ ہوئے یہاں سے تیں پنتیس فٹ کے فاصلہ پر قیام کے لئے بنگلے بنے ہیں۔ اور راستہ تھوڑے فاصلہ سے چونکہ زینہ کی طرح تراشا ہوا ملتا ہے۔ اس لئے اس پر کاریں نہیں چل سکتیں اور پیدل جانا پڑتا ہے۔ اوپر پہنچ کر راستہ ہموار ہو جاتا ہے ہم نے یہاں پہنچ کر کبن ہوس میں قیام کیا۔ بہت تھکے ہوئے تھے۔ ٹیپو ڈراپ وغیرہ دیکھنا کل پر ملتوی کیا۔ ٹیپو ڈراپ پہنچنے کے لئے چونکہ بہت بڑا چکر کاٹ کر قیام گاہ سے بیس پچیس فٹ نیچے آنا پڑتا ہے۔ اس لئے ہمت نہ پڑی۔ دوسرے دن صبح ناشتہ سے فارغ ہو کر نکلے اور ایک بڑا چکر کاٹ کر گھومتے گھومتے ٹیپو ڈراپ پہنچ گئے۔ ابتدائی راستہ خندق کی صورت میں تھا اور آگے پہنچ کر ہموار ہو گیا تھا ہم یہاں پہنچے تو دیکھا کہ سامنے ہموار راستہ بنا ہوا ہے۔ جس کے تین طرف دیواریں اٹھی ہوئی ہیں۔ ان دیواروں کے متعلق یہ مشہور ہے کہ ٹیپو سلطان اپنے دشمنوں کو اس دیوار پر سے گرا کر ہلاک کرا دیا کرتے تھے۔ یہ دیوار اس طرح بنی ہوئی ہے

کھائی | اوپر کی جگہ | کھائی | جہاں سے گرایا جاتا تھا

کہا جاتا ہے کہ دشمن کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اس دیوار پر بٹھا کر اس کو دھکیل دیا جاتا تھا اس دیوار سے تقریباً تین سو فٹ کی گہرائی میں ایک خوفناک کھائی ہے۔ جو خاردار جھاڑیوں سے بھری ہوئی نظر آتی ہے یہاں سے گرنے کے بعد انسان کی ہڈی پسلیاں چکنا چور ہو جاتی تھیں۔ اور وہ پانی تک مانگ نہ سکتا تھا معلوم نہیں ٹیپو سلطان کے متعلق یہ باتیں کہاں تک سچ ہیں۔ تاریخ اس پر کوئی روشنی نہیں ڈالتی۔ شاید یہ من گھڑت واقعات ہوں۔

یہاں سے واپس ہو کر چڑھائی کا کچھ فاصلہ طے کر کے دائیں طرف مڑے۔ راستہ پھر ڈھلان کی طرف چلا گیا تھا۔ اسی مقام پر جا بجا خفیہ راستے بنے ہوئے تھے۔ مگر اب تو یہاں ہر طرف خاردار جھاڑیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ کہتے ہیں کہ پہلے بھی یہ راستے حکمت عملی سے بالکل پوشیدہ رکھے جاتے تھے۔ تاکہ غنیم کو ان کا پتہ نہ لگے۔ یہ خفیہ راستے اس طرح سے بنے ہیں کہ دور سے محض ایک کھڈ دکھائی دیتا ہے۔ جو خاردار جھاڑیوں سے ڈھکا ہوا ہوتا ہے اس جھاڑی کو ہٹا کر اندر قدم رکھیں تو راستہ معمولی نشیب میں زینہ کی شکل کا ترشا ہوا ملتا ہے۔ کچھ قدم چل کر نیچے کی طرف آئیں تو ایک لمبا ہموار راستہ ملتا ہے۔ جو خندق کی شکل کا ہے اس کو طے کر کے آگے بڑھیں تو سامنے کھلا میدان ملتا ہے ان پیچ در پیچ خفیہ راستوں کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ اتنی دشوار گزار پہاڑی علاقے میں ایسے خفیہ راستے اس صفائی سے کس طرح بنائے گئے ہوں گے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ دشمن

ٹیپو سلطان کو پہاڑی چوہا (mountain mouse) کہتے ہیں کہ جب اس قلعہ پر دشمن قابض ہو گئے تو انہی راستوں سے ٹیپو سلطان اپنی ساری فوج کو لے کر فرار ہو گئے تھے اور غنیم مدتوں ان کی تلاش ہی میں سرگرداں رہا تھا مگر پتہ نہ چلا۔ ہر شخص حیران تھا کہ وہ پہاڑ سے اچانک سپاہ سمیت کہاں غائب ہو گئے۔ یہاں چند چھوٹے مندروں کے شکستہ نشانات بھی پائے گئے۔ جن میں گوسالائیں تھیں۔ یہ مندر اس شکستہ حالت میں بھی سلطان کے بے تعصبی کے گواہ تھے۔ ان مندروں میں بھی ہر طرف خفیہ راستوں کا جال بچھا ہوا تھا۔ جو ایک طرف سے نکل کر دوسری طرف جا نکلتا تھا۔ ہم بھی اسی طرح کے ایک راستہ سے نکل کر دوسری طرف آئے تو سامنے ایک بلند پہاڑ کی کھو نظر آئی۔ نگاہ اوپر اٹھائی تو معلوم ہوا کہ یہاں سے کافی بلندی پر اوکلینڈ اور ہمارا جائے قیام کبن ہوس پہاڑ کے اوپر نظر آ رہا ہے۔ اس کھوہ کا درہ دور سے بہت ہی تنگ نظر آتا تھا۔ مگر ہم جس قدر قریب ہوتے گئے اتنا ہی یہ فراخ معلوم ہوتا گیا۔ حتیٰ کہ جب اس کے بالکل قریب ہو گئے تو یہ راستہ اتنا چوڑا تھا کہ ایک کار اس میں بخوبی ٹھہر سکتی تھی۔ یہ کھوہ پہاڑ تراش کر بنائی گئی تھی۔ اور اندر سے بالکل صاف اور کافی کشادہ تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک بڑا اژدھا اپنا دہانہ کھولے بیٹھا ہے۔ ہم لوگ اس کے اندر گئے اور سیر کر کے واپس آئے۔ یہ بھی خفیہ راستوں میں کا ایک راستہ ہے۔ جو بلندی سے بالکل دکھائی نہیں دیتا اور اس میں ایک یہ خوبی بھی ہے کہ جب لوگ اس کے اندر ہوتے ہیں تو دور سے بالکل دکھائی نہیں دیتے جس کی وجہ غالباً یہ ہو گی کہ دور سے اس کا دہانہ بالکل تنگ نظر آتا ہے اور مقامی نشیب و فراز کی وجہ سے دہانے کا دور سے اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ اس لئے اس کے اندر کے لوگ باہر والوں کو دور سے دکھائی نہیں دیتے۔ غرض ہم خوب گھوم پھر کر دو ڈھائی بجے اپنے جائے قیام پر واپس پہنچے ایک تو تھکے ہوئے تھے دوسرے بھوک خوب لگ رہی تھی کھانے سے فارغ ہو کر کچھ دیر ستانے کے بعد انسی کی ٹھیری اور آہستہ خرامی کے ساتھ پہاڑ سے نیچے اتر آئے گاریج سے کاریں نکلوا کر ۴ بجے بخیریت تمام گھر

رنگ و نغمہ

جلووں کا نظارہ بھول گئے جب دیکھا جوش امنگوں کا
شمعوں کا تماشا کیسا؟ کھو گئے دیکھ کے رقص پتنگوں کا

صحن چمنستاں میں اکثر دیکھا ہے نظارا جنگوں کا
رنگوں سے الجھنا خوشبو کا، خوشبو سے الجھنا رنگوں کا

وہ لامحدود سا ویرانہ دنیا نے جسے دل نام دیا
دنیا ہے سہانے جذبوں کی گھر ہے معصوم امنگوں کا

پر کیف ہوا ہے یا رقصاں مستیٔ صہبا کی موجیں
رنگین فضا ہے یا ہے غبار رہزاروں اڑتے رنگوں کا

مضطر ہوں کہانی کہنے کو لیکن احساس کا یہ عالم
جذبوں کی کشاکش ہے گویا ترکش میں رقص خدنگوں کا

تخلیق ہوئے افکار مرے انوار کے حیرت خانوں میں
اشعار مرے مجموعہ ہیں، میٹھے نغموں اور رنگوں کا

احساس کے زیر فرماں ہے میرے الفاظ کی بندش بھی
کشتہ نہیں ہیں ترکیبوں کا اور صید نہیں فرہنگوں کا

مدت تک خاکہ ہستی کا بے رنگ رہا لیکن فطرت
پھر ساقی کی نظروں سے اٹھا طوفان شگفتہ رنگوں کا

عبد العزیز فطرت
راولپنڈی

اعتدال

مارچ کے عصمت میں "جینے کا سلیقہ" عنوان سے محترمہ شائستہ اختر سہروردی صاحبہ کا ایک کارآمد اور دلچسپ مضمون شائع ہوا ہے۔ واقعی بات یہ ہے کہ دنیا میں یہی سب سے بڑا سلیقہ ہے لیکن بہت کم لوگ اس سے واقف ہیں۔ جینے کو تو ہر شخص اپنی عمر کسی نہ کسی طرح پوری کر ہی لیتا ہے۔ مگر سلیقہ سے جینا اور بات ہے۔ غالباً یہ کہنا نامناسب نہ ہوگا کہ ہمارے کسی کام میں اعتدال نہیں ہے۔ اور یہی ہماری سب سے بڑی بدسلیقگی ہے۔ کتنے ہی گھرانے ہیں جہاں ہمیشہ بے وقت کی راگنی رہتی ہے۔ جاگنے کے وقت سونا، اور سونے کے وقت جاگنا آرام کے وقت کام اور کام کے وقت تفریح، نہ کھانے کا وقت مقرر نہ کسی کام کا۔ ایک ایسی افراتفری ہمارے گھروں میں رہتی ہے کہ دل و دماغ واقعی سکون سے یکسر خالی ہوتے ہیں۔ اکثر مالدار اور خوش حال گھرانے ایسے بھی ہیں، جہاں ہمیشہ اور ہر وقت ہائے ہائے رہتی ہے۔ جس جگہ خرچ ہونا چاہیئے وہاں تو خرچ ہوتا نہیں اور معمولی معمولی باتوں پر دھڑلے سے کمائی لٹائی جاتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ گھر حیثیت سے بدتر نظر آتا ہے۔ بعض گھر ایسے ہیں، جہاں آمدنی تو محدود ہے مگر اخراجات اور طمطراق شاہانہ ان گھروں پر قرض ایسا بھوت بن کر چمٹتا ہے کہ پشت در پشت تک اس سے چھٹکارے کی صورت نظر نہیں آتی۔ بعض خواتین کپڑوں کی اتنی شائق ہوتی ہیں کہ چاہے ان کی صحت کپڑوں سے زیادہ غذا کی محتاج ہو مگر گھر پر کپڑے کے گٹھے والے ہمیشہ موجود۔ اور سب اپنا وزن کچھ نہ کچھ ہلکا ہی کر جاتے ہیں۔ اس کے باوجود کہ آج کل کپڑے پر آگ لگی ہے ان کے شوق میں کمی نہیں ہوتی۔ متوسط طبقے کے اکثر گھرانوں میں نہ آمدنی کا حساب و کتاب ہوتا ہے نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ کتنا خرچ ہوا اور کتنا ہونا چاہیئے۔ تنخواہ گھر میں آئی اور گزشتہ مہینہ کا اتنا فلاں کا باقی اور اتنا فلاں کی بقایا چکانے ہی میں آدھی پونجی ختم ہو جاتی ہے مشکل سے پندرہ دن اچھے گزرتے ہیں۔ پھر وہی دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانا پڑتا ہے۔ غرضکہ کہیں تو اتنی سادگی ہے کہ کسی طرح شایانِ شان نہیں اور کہیں اتنی چمک دمک جو حیثیت سے بدرجہا زیادہ ہوتی ہے۔

بعض خواتین بچوں میں اتنی مشغول رہتی ہیں کہ دوسرے فرائض نظرانداز ہو جاتے ہیں۔ اکثر خوش مزاج لڑکیاں ماں بننے کے بعد حد درجہ خشک اور چڑچڑی ہو جاتی ہیں۔ عورت کو ایک اچھی ماں بننے کے ساتھ ساتھ ایک بہترین بیوی اور ایک ایسی ملکہ بھی بننے کی کوشش کرنی چاہیئے جو اپنی خوش اخلاقی کے سبب گھر میں سب کے دلوں پر حکومت کرتی ہو۔ صرف ایک ایسی ماں ہی نہیں بننا چاہیئے جو ہر وقت اپنے بچوں کی خاطر ہر ایک سے لڑنے کو تیار نظر آئے۔ اس کے برعکس محض ایسی مائیں بھی ہیں۔ جن کے بچے صرف آیاؤں کے رحم و کرم پر پلتے ہیں یا گھر کی بزرگ ان کی نگہداشت کرتی ہیں۔ اور انھیں اپنی سیر تفریح، سینما اور کلب سے اتنی فرصت ہی نہیں ملتی کہ وہ یہ دیکھیں کہ ان کے بچے نے آج کتنی مٹھائیاں بھنکتی بازاری چیزوں سے پیٹ بھرا ہے۔ یا ایسے کیسا دودھ ملا ہے اور اپنی آیا کی آج کتنی گھُڑکیاں اور ٹھُنکیاں ان کو نصیب ہوئی ہیں۔ بعض گھروں میں کھانے پینے کی ایسی بے ترتیبی ہے کہ سارا دن اسی کی نذر ہو جاتا ہے۔ اور بعض جگہ اتنی کنجوسی کہ گن گن کر روٹیاں اور بوٹیاں پکائی جاتی ہیں۔ اکثر خواتین اپنی صحت سے اس حد تک بے پروا ہوتی ہیں کہ جب تک کسی خطرناک بیماری میں مبتلا نہ ہو جائیں اپنی غذا کی طرف توجہ کرتی ہیں نہ علاج معالجہ کی طرف۔ اور بعض ایسی بھی ہیں جو ہر وقت اپنے کو بیمار بنائے رکھتی یا سمجھتی ہیں، اور گھر کا اچھا خاصا دوا خانہ بنا لیتی ہیں۔ غرض جب تک ہم اپنے کاموں میں اعتدال کو اختیار نہ کریں گے، زندگی سلیقہ سے گزارنا ناممکن ہے۔

صغرا عبدالسبحان

مالی کی بیٹی

(گزشتہ اشاعت سے آگے)

"آپ نے اس بدنصیب راجہ کی بابت یہ خبریں کس سے سُنیں؟ اور پھر اچھی طرح سے تحقیق بھی کیا؟ کسی نے دشمنی میں نہ بدنام کیا ہو، ڈاکٹر صاحب سے مدد لینی تھی؟"

"غضب ہو جاتا اگر میں ڈاکٹر صاحب سے کچھ کہتی، ہماری ریاست میں ابھی وہی پُرانی پابندیاں رائج ہیں۔ لڑکی اپنی زبان نہیں ہلا سکتی۔ اور پھر پتا جی بچپن سے زبان دے چکے تھے۔ شادی ہو رہی تھی۔ برات آگئی تھی کیا ہو سکتا تھا؟ خبریں دینے والا اُن کا دشمن نہ تھا بلکہ میرا حقیقی ہمدرد دوست تھا۔"

"آخر کون؟" راجکماری اوپر کو دیکھ کر ذرا مسکرائیں پھر کہا "بتا دوں؟ ڈاکٹر صاحب سے تو نہ کہیں گے اس کا وعدہ کریں۔ میں نے کسی سے آج تک ذکر نہیں کیا" اور "اپنے سیٹھ جی بھیا سے بھی نہیں کہا۔ وہ تو ہمدرد دوست عزیز سب ہی کچھ ہیں۔" کیلاش صاحب تنگ نہ کیجئے۔ سیٹھ بھیا کا طعنہ نہ دیں۔ وہ خالص بھائی ہے۔ اور ڈاکٹر بزرگ مربی ہیں اور آپ.. .. آپ کو سچا قابل قدر دوست خیال کرتی ہوں"

"اچھا میری یہ قسمت اب یاد رکھنا مجھ کو دوست کہا ہے۔"

"عمر بھر یاد رہے گا۔ منہ سے آج کہا ہے۔ دل میں کب سے سمجھ لیا ہے مگر کہتے اچھا نہیں لگتا۔ میں اور میری زبان آزاد نہیں ہے۔ آہ میں کسی کی پابند ہوں۔" "بتلایئے بتایئے وہ شخص کون تھا جس نے آپ کے بنی راجہ کو بدنام کیا؟"

"وہ ایک کمشنر کا لڑکا ہے۔ خود بھی آئی۔ سی۔ ایس ہے اور یورپ میں میرے شوہر کے ساتھ رہا ہے۔ وہیں کا واقف ہے۔" "آپ سے کہاں اور کیسے ملا۔ ریاست میں تو پردہ ہے ہاں اس کا نام کیا ہے؟ اتنا ضرور بتا دو قسم لے لو جو زندگی بھر کسی سے ذکر آئے۔"

"راجکماری ہنسیں اور کہا۔ آپ سب کچھ ہی پوچھ کر رہیں گے میں نے آپ کو دیوتا کہا ہے۔ اب اطمینان ہے۔ سنیئے پردہ ضرور ہے۔ مگر پتا جی بعض بعض معزز لوگوں سے مجھ کو ملا دیتے تھے۔ اسی لڑکے آئی سی ایس کے والد جو بہ حیثیت کمشنر ہمارے ریاست میں آئے تھے۔ والد صاحب کے بہت دوست ہو گئے تھے۔ ڈنر پر ملاقات ہو جاتی تھی۔ اس لڑکے کا نام ہے سریشچندر ایم۔ اے۔ خوش شکل نیک اور قابل نوجوان ہے۔"

"بس بس سمجھ میں آگیا کہیں وہ بیچارا بدنام کیا گیا۔"

راجکماری ان کا مطلب سمجھ کر ذرا بگڑ کر بولیں "ہاں ہاں بس آپ نے سمجھ لیا۔ پہلے بیچارے میرے بھائی کا طعنہ تھا۔ اب ایک اور بتا دیا۔ میں نے اپنی عقلمندی سے۔ جانے دیجئے اب ہم کچھ نہ بتائیں گے۔" کیلاش صاحب نے ہنستے ہوئے کہا "ناراض نہ ہو رانی۔ میں نے تو مذاق کیا تھا۔ ویسے ہی چھیڑا تھا میں تو جانتا بھی نہیں کہ وہ آئی سی ایس کون ہے؟ نہ میرے دل میں اس کی عزت نہ نفرت مگر صاف سمجھ میں آنے والی بات ہے۔ کہ اُس نے راجہ صاحب کی برائی میں اپنا فائدہ دیکھا ہوگا۔" "فائدہ کیسا؟ اول تو افتراق مراتب وہ کون اور میں کون۔ پھر میں شادی شدہ۔ صرف رخصتی ہی تو باقی تھی۔ بیاہ تو سات سال کی عمر میں ہو چکا تھا۔ اس بیچارے نے سُنا دیا۔ وہ جانتا تھا کہ اب کچھ نہیں ہو سکتا۔" "کیسے نہیں ہو سکتا آپ عمر بھر کو سسرال و شوہر سے بیزار ہو گئیں اور کیا ہوتا"

"مگر اس کو تو کچھ نہ ملا۔ بیچارا ملنا بھی نہیں وہ سال ہو گیا

شکل تک نہیں دیکھی، اب تو سُنا ہے اُس کی شادی ایک ولایت کی پڑھی لڑکی سے ہو رہی ہے "۔

" کس سے سُنا ہے ؟ "

" خط آیا تھا بہت دن ہوئے "۔

" خط و کتابت ہے ؟ "

" کبھی کبھی آجاتا ہے "۔

" بد طینت شخص تھا۔ ایک بھولی لڑکی کی زندگی تباہ کر دی اور ساتھ ہی ایک رئیس کی "۔

" رئیس کی نہیں ہوئی، انگریز بی بی ہے اور ہندی رانی بھی لے آئے گا! - آپ کو ان سے بہت ہمدردی ہے۔ کیا میرے شوہر سے آپ کبھی ملے ہیں ؟ "

" جی نہیں۔ میں بھلا راجہ لوگوں سے کہاں مل سکتا ہوں آپ کو چاہئیے کہ خود اپنے راجہ صاحب سے مل کر حالات کی تحقیق کریں۔ دیکھیں کہ وہ غریب کیسا ہے۔ در اصل اگر وہ انگریز لڑکی گورنس ہی ہے تو کیا بُرائی ہے "۔

" کیلاش صاحب آپ کیسی باتیں کرتے ہیں۔ میں بدبخت آزاد گناہ گار لڑکی اب اس قابل ہوں کہ اپنے پتی سے مل سکوں "

" خدا نہ کرے اپنے کو گناہ گار نہ کہو ؟ آپ ایسی سمجھ دار معزز راجکماری گناہ گار نہیں ہو سکتی "۔

" یہ کچھ کم گناہ ہے کہ ایک ہندی راجہ کی بیٹی اور راجہ کی بیوی بیاہ کی شب مالی کی بیٹی کے بھیس میں گھر سے بھاگ نکلے لعنت ہے۔ اس کی زندگی پر۔ میں راجہ صاحب کو منہ نہیں دکھا سکتی "

" ہم نے ڈاکٹر صاحب سے اور بھی کئی اشخاص سے سُنا ہے کہ آپ کا پتی بہت غم زدہ زندگی بسر کر رہا ہے۔ اس کو بیحد صدمہ ہے۔ اور وہ لڑکی بھی جو گورنس بنا کر لایا تھا محل سے نکال دی گئی ہے آپ ذرا اُن سے مل کر تو دیکھیں۔

" پھر وہ مجھ کو ریاست میں لیجا کر قید کرا دیں گے کسی سے نہ ملنے دیں گے۔ سزائیں دیں گے "۔

" ہرگز نہیں۔ آخر وہ انسان ہے اور تعلیم یافتہ۔ اگر آپ کی رائے ہو تو میں ان کو بلا کر " اندر کیسل " میں مہمان کروں۔ اور ملا دوں "۔

" یہ بڑی مشکل ہے۔ میں پھر کہیں کی نہ رہوں گی۔ اچھا ایک بجنے والا ہے۔ میں جاتی ہوں "

" چلئے میں پہنچا دوں ؟ "

" اب آپ کب ملیں گے ؟ "

" جب حکم ہو "

" کل ہی تشریف لائیے " یہ کہتے ہوئے راجکمار کھڑی ہو گئی۔

" پھاٹک پر سے تو نہ بھگا دیا جاؤں گا ؟ " کیلاش صاحب بھی ہنستے ہوئے کھڑے ہوئے۔ اور کار نکلوائی۔ اور دونوں سوار ہو گئے۔ راستہ میں کہا کہ " شاید میں کل نہ آ سکوں سادھو جی کے جانا ہے "۔

انہوں نے اصرار کیا کہ " مجھ کو بھی لے جانا "۔ بلکہ ضد کی مگر وہ نہ مانے کہ " پھر کسی دن چلنا۔ کل تو میں تنہا ہی جاؤں گا "۔

(باقی آئندہ)

نذر سجاد حیدر

بادِ صبا سے

لے بادِ صبا سُن بہرِ خدا
اک میرا پیا ہوں جس سے جُدا

سرِ داربِ عرب، ہے جس کا لقب
تو جا کے اُسے، اتنا کہہ دے

اے فخرِ رسل، اے حامئی کل
اے کانِ سخا۔ لے بحرِ عطا

لے ابرِ کرم، لے شاہِ اُمم
لے شمعِ ہدا۔ اے نورِ خدا

اک تیرا گدا مشتاقِ لقا
با آہ و فغاں، با قلبِ تپاں

بیمار و حزیں، مرنے کے قریں
قدموں سے جُدا بیکل ہے بڑا

فرقت میں تیری، دم پر ہے بنی
اب بہرِ خدا، لے اس کو بلا

قدموں میں رہے
قدموں میں مرے

ابوالاعجاز ازل لاہور

میزبان

خانہ داری کے بے شمار اور اہم امور میں میزبانی بھی ایک جوہر کے مشابہ ہے؟ مہمان مرد ہو یا عورت میزبانی کا فرض عورت (گھر کی مالکہ) ہی پر عائد ہوتا ہے ہمیشہ خوشی اور فراخ حوصلگی کے ساتھ مہمان کی تواضع کرنی چاہیئے۔

اکثر گھرانوں میں دیکھا گیا ہے کہ مہمان کو دیکھ کر ناک بھوں چڑھا لیتے ہیں اور بجائے خاطر کرنے اور خندہ پیشانی سے پیش آنے کے ایسی حرکتیں کرتے ہیں جس سے مہمان خود ہی، دل برداشتہ ہو کر جلد سے جلد چلے جانے کی کوشش کرتا ہے اور اگر کوئی مجبوری ہو تو چار و ناچار تکلیف برداشت کرتا ہے۔ مہمان کے لئے خاص طور پر خراب کھانا پکوانا یا مہمان کے ساتھ بیٹھ کر تھوڑا سا کھا لینا اور بعد میں خود چھپ کر عمدہ کھانا۔ کھانا بڑی ہی کم ظرفی اور ایسی ذلیل حرکت ہے جس سے زیادہ اور ذلیل حرکت نہیں ہو سکتی۔

میرا یہ مطلب نہیں ہے کہ مہمان داری اور میزبانی میں ضرورت سے زیادہ خرچ کر کے انسان قرض دار ہو جائے بلکہ مقصد یہ ہے کہ امکان بھر مہمان کی خاطر تواضع کرنا اور جو کچھ میسّر ہو اپنے روزمرہ سے بہتر اس کے آگے رکھنا چاہیئے اس کی رہائش سونے اٹھنے بیٹھنے اور آرام و آرائش کا بہت زیادہ خیال رکھا جائے اگر گھر میں مہمانوں کو ٹھیرانے کی گنجائش ہو تو ایک کمرہ مہمانوں کے لئے مخصوص کر دینا چاہیے جس میں معمولی ضروریات کی تمام چیزیں رکھی جائیں۔ مثلاً پلنگ۔ ایک چھوٹی ٹیبل۔ کرسی لیمپ یا لالٹین۔ آئینہ معمولی قسم کا کوئی سا صابن منجن۔ دوات قلم۔ سادہ کاغذ۔ کوئی کتاب وغیرہ۔

سمجھ دار مہمان اپنی ضروریات کی چیزیں خود اپنے ساتھ لاتے ہیں۔ اور میزبان کو ایسی معمولی معمولی باتوں کی تکلیف دینا ہرگز پسند نہیں کرتے۔ تاہم اگر پلنگ وغیرہ کے ساتھ یہ چیزیں بھی مہمان خانہ مہیا رہیں۔ تو گھر والی کی خوش سلیقگی کی دلیل ہے اگر گھر میں گنجائش نہ ہو تو پھر دل میں گنجائش پیدا کر کے مہمان کو اپنے ساتھ رکھو۔ خود تکلیف اٹھاؤ اور مہمان کو آرام پہنچانے کی کوشش کرو۔ یہی اخلاق حسنہ ہے۔ یا پھر باہر کوئی کمرہ کرایہ پر لے لو وہاں ٹھیراؤ۔

کوئی روز روز اور بلا وجہ ہمارے ہاں نہیں آتا ضرورت اور اتفاق ہی انسان کو کسی کا مہمان بننے پر مجبور کرتے ہیں۔ محبت، خلق اور خلوص اگرچہ آج کل ضرورت، اتفاق۔ حادثات اور مجبوریوں کے نیچے دبے پڑے ہیں لیکن میزبان کا رویہ تو قابلِ ملامت حد تک پہنچ گیا ہے۔ خواتین کو خاص طور پر ان اہم باتوں کا خیال رکھنا چاہیئے۔ ورنہ خانہ داری کا ایک بہت بڑا پہلو نامکمل رہ جائے گا۔ اور عورت کی تمام صفات حسنہ کو اپنے تاریک دامن میں چھپا لے گا۔

چند روز کے لئے اگر کوئی ہمارے ہاں آئے تو وہ مہمان ہی ہوگا۔ خواہ وہ کتنا ہی قریبی عزیز یا رشتہ دار کیوں نہ ہو۔ چھوٹا ہو یا بڑا اس کے ساتھ حسن سلوک ہمارا فرض ہے۔ بعض بیبیوں میں یہ عجیب عادت دیکھی گئی ہے کہ اگر کوئی ایسا مہمان ان کے گھر آئے جس سے رشتہ یا کچھ تعلق ہو تو ان سے یہ توقع رکھی جاتی ہے کہ وہ مہمان ان کے گھر کا تمام کاروبار اور انتظام سنبھال لے حتیٰ کہ گودام اور باورچی خانہ کی تمام ذمہ داری بھی اپنے ذمّے لیلے پھر اگر مہمان ناواقفیت اور اجنبیت کی بنا پر کوئی کام انجام نہ دے سکے تو طعن تشنیع یا تلخ الفاظ سے میزبان کی تواضع کی جاتی ہے یہ ایسی بری حرکت ہے۔ جس کو بد اخلاقی اور کم ظرفی سمجھنا بالکل بجا ہے تعلیم یافتہ بیبیوں کو یہ باتیں زیب نہیں دیتیں۔ مہمان نوازی ایک ایسا پاک اور عالمگیر جذبہ ہے۔ جو دنیا کے ہر حصے کے

انسان کے دل میں پایا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جاہل جنگلی اور وحشی لوگ بھی اس کا خاص خیال رکھتے ہیں اگر اس پاکیزہ اور فطری جذبہ کو اپنی کجروی طمع اور لالچ سے اپنے ہاتھوں تباہ کرنا بہت بڑی غلطی ہے۔

کوئی ہمارے گھر آئے تو ہمیں لازم ہے کہ گرم جوشی، خُلق اور خلوص کے ساتھ پیش آئیں موقع اور محل کے لحاظ سے ہر ممکن خاطر اور مدارات کریں اور پھر خوشی کے ساتھ مہمان کو رخصت کریں۔

مہمان کے سامنے اور خصوصاً دسترخوان پر اشیا کی قیمتوں اور خرچ کا ذکر یا تخمینہ ہرگز نہ کرنا چاہئے۔ نوکروں کو بھی اس سے منع کر دو اور ہدایت کر دو کہ مہمان کا کام خوش اسلوبی سے انجام دے۔ اور مہمان کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے پائے بلکہ بہتر یہ ہے کہ گھر کا مالک خود مہمان کے آرام و آسائش کی کوشش کرے اور کسی قسم کا کام اس سے نہ لے۔

مہمان کے سامنے ظاہری اخلاق اور مصنوعی تبسم سے بذلہ سنجی اور قہقہے: (لگاؤ رکھنا) اور خوددار انسان ان سے بہت زیادہ تکلیف محسوس کرتے ہیں۔ اور اس سے میزبان کی بیزاری، نفرت اور بیگانگی کا اندازہ کر لیتے ہیں۔

میزبان کو ہمیشہ خلوص سے کام لینا چاہئے۔ جو سلوک آج تم اپنے مہمان کے ساتھ کر رہے ہو۔ اگر حسن اتفاق سے تمہیں کسی کا مہمان بننا پڑے اور وہ تمہارے ساتھ کرے تو اس وقت تمہارے دل کی کیا حالت ہو گی؟ ذرا غور کرو۔ جس بات کی دوسروں سے توقع رکھتے ہو۔ وہی سلوک تم دوسروں کے ساتھ کرو۔ اس کے متعلق شاعر نے یوں نصیحت کی ہے ؎

کبھی بھولے کر کسی سے نہ کرو سلوک ایسا
کہ جو تم سے کوئی کرتا تمہیں ناگوار ہوتا

جو چیز تمہیں ناگوار ہو گی۔ وہ یقیناً دوسرے کو بھی ناگوار ہو گی۔ بنا بریں مہمان کو تکلیف پہنچانا اور بدسلوکی کرنا تو بہت ہی ذلیل حرکت ہے، اگر تمہاری مالی حالت اس کی اجازت نہیں دیتی کہ پوری طرح مہمان کی آسائش کے سامان مہیا کئے جائیں تو سمجھ اور عقل رکھنے والے مہمان کو بھی تم سے اس کا گلہ نہیں ہو سکتا۔ وہ ہنسی خوشی اور خلوص سے چٹنی روٹی پر اکتفا کرے گا۔ اور حرفِ شکایت زبان پر نہیں لائے گا۔

ان تمام باتوں کا خیال گھر کی بیبیوں کو ہونا چاہئے۔ باپ، بھائی یا شوہر کا کوئی دوست، مہمان آتا ہے تو وہ بھی گھر کی بیبیوں کی خوش سلیقگی، یا بدسلیقگی کے گہرے اثرات دل پر لے جاتا ہے۔ وہ رہنے سہنے کے طریقے۔ اٹھنے بیٹھنے۔ کھانے پینے اور کھلانے پلانے کے طریقوں سے گھر کی عورتوں کے متعلق نظریات قائم کر لیتا ہے۔ اس لئے جہاں تک گھر والوں کا تعلق اور اختیار رہے۔ اسے میزبانی کے فرائض کو خوش اسلوبی سے انجام دینا چاہئے اور میزبان کو امور خانہ داری کا نہایت اہم مسئلہ سمجھنا چاہئے۔

سیّدہ اشرف

(بقیہ صفحہ ۳۰۷) پودوں کی جڑوں کے پاس دینا چاہئے۔ کھڑی پود کے پتوں پر فوارے سے پانی دینے سے پودے کے گر جانے کا اندیشہ ہے۔

بیج ہمیشہ کسی مشہور کمپنی یعنی پوسا یا پاشین وغیرہ سے خریدنے چاہئیں تاکہ فصل اچھی ہو۔ ایک سال بیج خرید کر پھر باغیچہ کے پودوں سے بیج حاصل کرنے چاہئیں یعنی ایک کیاری میں چند پودے رہنے دیئے جائیں۔ جب بیج پختہ ہو جائیں، تو جمع کر لیں لیکن بیج دو چار سال کے بعد بدلتے رہنا چاہئیں۔

اس مضمون میں میں نے گرمیوں اور برسات کے موسم کی سبزیوں کو پیدا کرنے کے متعلق لکھا ہے، امید ہے کہ بہنیں اس سے مستفید ہوں گی اور کوشش کریں گی کہ تھوڑی سی بھی جگہ ہو تو اس کو ٹھیک کر کے حسب پسند سبزیاں ضرور لگائیں پھر اپنے ہرے بھرے

گھریلو باغیچہ

آج کل لڑائی کی عام گرانی اور ضروریات کی کمیابی کی وجہ سے مغربی ممالک میں پھولوں کے باغیچہ کے بجائے سبزی ترکاری کے باغیچوں کا بہت رواج ہوتا جارہا ہے۔ چنانچہ اُن ممالک کے اخبارات بھی سبزیوں کے بونے وغیرہ کی ہدایات اکثر شائع کرتے رہتے ہیں۔ ہمارے ملک میں بھی اس کا شوق بڑھتا جاتا ہے لیکن گھریلو باغیچوں کا طریقہ ابھی اتنا عام نہیں ہوا ہے کہ اس پر کچھ لکھنے کی ضرورت محسوس نہ ہو۔ بلکہ ضرورت ہے کہ اس قسم کے مضامین لکھے اور پڑھے جائیں تاکہ ہمارے ملک کے بڑے بڑے مکان، کوٹھیاں یہاں تک کہ چھوٹے چھوٹے مکانوں کے احاطے اور صحن سبزیوں سے ہرے بھرے نظر آئیں اور ان کے مکینوں کو روزانہ سبزی جیسی تازہ اور عمدہ غذا کھانے کے لئے میسر آسکے۔

موسم گرما شروع ہوگیا ہے اور برسات کا خوشگوار پیارا موسم آنے والا ہے میں اس مضمون میں گرمی اور برسات کے موسم کی سبزیاں اور ان کے بونے کے متعلق ضروری باتیں لکھوں گی جن بہنوں کے ہاں صحن بڑے اور مالی یا نوکر موجود ہیں ان کو صرف باغیچہ کی نگرانی کی ضرورت ہے لیکن جن کے ہاں مالی یا نوکر نہیں ہیں۔ ان کو تھوڑی محنت کرنی پڑے گی۔ ملازم سے یا خود یا بچوں کی مدد سے اول کیاریاں بنوائیں پھر ان کیاریوں میں پانی پہنچانے کا انتظام کریں۔ اگر گھر میں مرغی یا بکری جیسے سبزی کے دشمن ہوں تو باغیچے کے چاروں طرف خاردار جھاڑیاں یا تار لگوا دینے چاہئیں۔ گھر میں رہنے والی خواتین کے لئے باغیچہ کا کام بہترین شغل ہے اگر وہ اس میں دلچسپی لیں ان کا ویران احاطہ چند ماہ میں ہرا بھرا ہو جائے گا۔ اور گھر کے افراد کو تازہ سبزیاں ملا کریں گی۔

زمین کو ہموار کرنے کے بعد کھاد ڈالو اور ہر کیاری کے درمیان مشترکہ نالی رکھو۔ بیجوں کو خریدتے وقت ہمیشہ اس کا خیال رکھو کہ وہ کئی سالوں کے رکھے ہوئے اور کیڑوں کے کھائے ہوئے نہ ہوں بلکہ اسی سال کے تازہ ہوں کہ تمہاری محنت اکارت نہ جائے۔ زمین انتخاب کرتے وقت بھی چند باتیں مدنظر رکھئے۔ پہلے تو یہ کہ سخت اور چکنی مٹی کی زمین جو پانی پڑنے کے بعد لوہے کی مانند سخت ہوجاتی ہے ترکاریوں کے مطلب کی نہیں ہوتی۔ اسی طرح بالکل ریتلی زمین بھی سبزیوں کی کاشت کے لئے اچھی نہیں ہوتی۔ زمین ہمیشہ ایسی ہونی چاہئے جس میں اگر ریت ہو بھی تو بہت کم اور مٹی کا جزو بہت زیادہ ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ نالی جو کیاریوں کے بیچ سے جائے گی ہمیشہ ڈھلوان زمین کی طرف جانی چاہئے تاکہ پانی بآسانی کیاریوں میں پہنچ سکے۔ اب سنئے گرمی کی سبزیوں کے نام اور ان کو کیاریوں میں پیدا کرنے کے طریقے۔

۱۔ بھنڈی۔ بھنڈی کے دو دو بیج اکٹھے بو دیں۔ ان بیجوں کو چار چار انگلی کے فاصلے پر لگائیں۔ جب پودے ۴، ۵ انچ اونچے ہو جائیں تو سالم پودوں کو جڑ سے آہستہ سے نکال کر دوسری تیار کیاری میں قطاروں میں ۲-۲ فٹ کے فاصلہ پر لگادیں۔ کیاری میں اول قطاریں بنائیں اور پھر بھنڈی کا پودا لگائیں۔ قطاروں سے مطلب یہ ہے کہ مٹی کی آدھا آدھا فٹ اونچی دیواریں بنالیں۔ ان قطاروں کا بھی آپس میں ۲ فٹ کا فاصلہ ضرور رہنا چاہئے۔ دو ماہ کے اندر اندر بھنڈی کا پودا بھنڈی لانی شروع کر دیتا ہے۔

۲۔ ٹنڈے۔ ٹنڈے کے بیج چار پانچ دن پانی میں تر رکھیں تاکہ ان کے مغز پھول جائیں۔ پھر ان بیجوں کو لے کر ۲-۲ بیج اکٹھے آدھے آدھے گز کے فاصلے پر بوئیں ٹنڈے کے لئے تھوڑی ریتلی زمین زیادہ اچھی ہوتی ہے۔ ان کی کیاریوں میں

ہفتے میں دو تین بار گڑائی بھی کرنی چاہئے۔ گڑائی کھُرپی سے پودے کی جڑ کے آس پاس آہستہ آہستہ زمین گوڑنے کو کہتے ہیں

۳۔ بینگن۔ ایک کیاری میں کھاد ڈال کر اس کا بیج چھڑک دیں اور پودا ذرا بڑا ہونے پر اکھاڑ کر دوسری کیاری میں ایک ایک فٹ کے فاصلے پر لگا دیں بینگن تین ماہ کے اندر آنے شروع ہو جائیں گے۔

۴۔ اروی۔ اروی کے لئے ریتلی زمین زیادہ موزوں ہوتی ہے ۲۔۲ فٹ کے فاصلے پر قطاریں بنا کر سالم اروی تھوڑے تھوڑے فاصلے پر لگا دیں۔ برسات میں اروی کے سبز پتے بیسن میں تل کر کھانے کے کام آتے ہیں۔ برسات کے بعد اروی اکھاڑ لینا چاہئے عام طور پر ایک سیر اروی بونے سے ۸۔۱۰ سیر اروی پیدا ہو جاتی ہے

۵۔ ٹماٹر۔ اس کی پود بھی بینگن کی طرح سے تیار کی جاتی ہے جب پودے یا پنیری تیار ہو جائے تو دوسری کیاریوں میں ایک ایک ہاتھ کے فاصلے پر لگائیں۔ ٹماٹر کے پودے کے لئے سہارے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ورنہ پودا زمین پر گر جاتا ہے۔ ہر ٹماٹر کے پودے کے پاس ایک لکڑی زمین میں گاڑ کر پتلی سی سُتلی یا تاگے سے لکڑی کو پودے میں باندھ دیں لیکن پودا بڑھنے پر باندھیں چھوٹے پودے کو باندھنے سے پودا خراب ہونے کا اندیشہ ہے۔

۶۔ کچالو۔ اس کی کاشت کا بھی وہی طریقہ ہے جو اروی کا ہے۔

۷۔ زمین قند۔ یہ زیادہ تر ان جگہوں میں پیدا ہوتا ہے جو پہاڑوں کے نیچے ہوں۔ اس کے لئے ریتلی زمین موزوں ہے اس کی کیاری میں کھاد بکثرت ڈالنے کی ضرورت ہے۔ اس کے بونے کا طریقہ یہ ہے کہ زمین قند کی گانٹھیں جو بڑے زمین قند پر آلووں کی طرح اُبھر آتی ہیں۔ انہیں چاقو سے کاٹ کر زمین میں تھوڑے تھوڑے فاصلے سے دبا دینا چاہئے۔

۸۔ شکر قندی۔ اس کے لئے بھی زمین قند کی طرح ریتلی زمین زیادہ اچھی رہتی ہے چھوٹی چھوٹی شکر قندی یا بڑی شکر قندی کے ٹکڑے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر بونا چاہیئے۔

۹۔ ساگ۔ پالک، چولائی اور قلفے کے ساگ کے بیج تیار شدہ کیاریوں میں مٹھی بھر کر کافی مقدار میں چھڑک دیں۔ ایک ماہ کے عرصہ میں کیاریاں سرسبز نظر آئیں گی۔

۱۰۔ ادرک۔ کیاریوں میں ۳۔۴ انچ گہری نالیاں بنائیں۔ ان نالیوں سے جو مٹی نکلے اس کو نالی کے دونوں طرف اوپر کی طرف رکھتے جائیں۔ اس کے بعد نالیوں میں ادرک کی گانٹھیں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر رکھتے جائیں۔ اور اوپر سے نالی کے دونوں طرف والی مٹی گرا کر نالی بھرتے جائیں۔ جب ادرک پھوٹ کر پودے نکل آئیں اور ادرک کی گانٹھیں نظر آنے لگیں تو ان کو مٹی سے ڈھکتے رہیں۔

۱۱۔ ہلدی۔ اس کی کاشت کا طریقہ بھی بجنسہ وہی ہے جو ادرک کا ہے ادرک اور ہلدی کو مارچ اور اپریل کے مہینوں میں بونا چاہیئے۔

اب کچھ ایسی سبزیوں کے بارے میں سنیئے جو بیل دار ہوتی ہیں۔

۱۔ لوکی۔ ۲۔۲ بیج ایک ایک ہاتھ کے فاصلے پر کیاریوں میں لگا دیں۔ جب بیلیں کچھ بڑھ جائیں تو اس کیاری کو پتلی پتلی لکڑیوں سے چھا کر چھپر سا بنا دیں اور کیاری کے بیچ میں بھی تھوڑے تھوڑے فاصلے پر لکڑیاں گاڑ دیں۔ جو علاوہ اس کے کہ چھپر کے لئے ستونوں کا کام دیں گی۔ بیلوں کے اوپر چڑھنے میں معاون ہونگی۔

۲۔۳۔ توری اور کریلا۔ اس کے بونے کا طریقہ وہی ہے جو لوکی کا ہے۔

۴۔ کدو یا کاشی پھل۔ کدو کے بیج ایک ایک ہاتھ کے فاصلے پر زمین میں ذرا گہرے بونے چاہئیں۔ جب بیلیں بڑھنے لگیں تو ان کے نیچے جھاڑیاں پھیلا کر بیلوں کو پھیلائیں تاکہ پھل سڑنے نہ پائیں۔

۵۔ پیٹھا۔ ۴۔۴ بیجوں کو ایک ایک ہاتھ کے فاصلے پر بو دیں۔ پیٹھے کے لئے ریتلی زمین کسی قدر موزوں ہوتی ہے۔ بیلیں نکل آنے پر کمزور پودوں کو اکھاڑ کر پھینک دیں۔ اور کدو کی بیل کی طرح پیٹھے کی بیل کے نیچے بھی جھاڑیاں رکھنی چاہئیں تاکہ پھل خراب نہ ہونے پائے۔

۶۔۷۔ کھیرا اور تربوز۔ ان کے لئے بھی کھاد دے کر کیاریاں تیار کریں پھر تھوڑے تھوڑے فاصلے پر بیج بو دیں کھیرے کے

لئے قد آدم لکڑیاں یا جھاڑیاں کھڑی کرکے ان پر بیلیں چڑھا دیں اور تربوز کے لئے بیلوں کے نیچے جھاڑیاں رکھیں۔

۸۔ سیم اور دیگر پھلی۔ ان کو بھی توری اور لوکی کی طرح بویا جائے اور ان کی بیلوں کو بھی چھپر یا مکان کی چھت پر چڑھنے دیا جائے۔

روزانہ ضرورت اور چٹنی وغیرہ کے لئے مندرجہ ذیل چیزیں باورچی خانہ کے لئے اشد ضروری ہیں۔

۱۔ ہری مرچ۔ سرخ مرچوں کے بیج ایک کیاری میں چھڑک کر پنیری تیار کریں پھر ننھے ننھے پودوں کو دوسری کیاریوں میں تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر لگا دیں۔

۲۔ ہرا دھنیا یا کوتمیر۔ ثابت اور سوکھا دھنیا لے کر پتھر سے ہلکا ہلکا رگڑیں تاکہ سالم دھنیا کے دو دو ٹکڑے ہو سکیں پھر اس کو کیاری میں چھڑک دیں۔

۳۔ پودینہ۔ پودینہ کی کیاری کے لئے پرانے گوبر کی کھاد بہترین ہوتی ہے اگر پودینہ کے بیج دستیاب ہو سکیں تو ان کو ایک کیاری میں چھڑک دیں پھر ننھے ننھے پودوں کی پنیری دوسری کیاری میں فاصلے پر لگا دیں۔ اگر پودینہ کی جڑیں ملجائیں تو ان جڑوں کو کیاری میں فاصلے پر زمین میں لگا دیں۔ اور مٹی سے ڈھک دیں۔ پودینہ کی کیاری میں پانی روزانہ دینے سے جڑیں جلد پھوٹ نکلتی ہیں۔

مندرجہ بالا سب سبزیاں گرمی کے مہینوں مارچ، اپریل اور مئی میں لگانے کی ہیں۔ مندرجہ ذیل سبزیاں بھری برسات یعنی جولائی اگست کے ماہ کے لئے ہیں۔

۱۔ مولی۔ مولی کے بیج پوری کیاری میں چھڑک دیں۔ جب پودے اُگ آئیں تو بیچ بیچ سے کمزور پودوں کو اُکھاڑ کر پھینک دیں۔ تاکہ آپس میں کسی قدر فاصلہ ہو جائے۔

۲۔ شلجم۔ اس کو بھی مولی کی طرح سے بویا جائے اور پودوں کو بھی آپس میں فاصلہ پر رکھنے کے لئے چھانٹ کر اکھاڑ دینا چاہئے۔

۳۔ گاجر۔ گاجر کی کیاریوں کے لئے زیادہ کھاد دیکر زمین نرم بنانے کی ضرورت ہے اس کے پودوں کو بھی چھانٹ کر اکھاڑ دینا چاہئے

۴۔ چقندر۔ چقندر کے لئے ۶۔ انچ اونچی قطاریں بنائیں تب تھوڑے تھوڑے فاصلے پر بیج لگائیں۔ کمزور پودوں کو اکھاڑ کر پھینک دیں

برسات کے موسم کے لئے بھٹے پیدا کرنے ہوں تو بازار سے اچھی قسم کی مکئی یا بڑے دانوں والا بیج کا بھٹہ منگوائیں اور دانے الگ کرکے نرم زمین جس میں کافی کھاد دی گئی ہو ایک ایک ہاتھ کی گہرائی میں تقریباً آدھ آدھ گز کے فاصلے پر بیج بوئیں۔ بیج کافی گہرائی میں ڈالنے چاہئیں تاکہ برسات میں نازک نازک پودوں کی جڑ مضبوط رہے اور وہ بارش سے زمین پر نہ لیٹ جائے۔ مکئی جولائی کے ماہ میں بوئیں تاکہ ستمبر کے ماہ میں بھٹے کھانے میں آسکیں بھٹوں کو طوطے، گلہری اور کوؤں کے حملوں سے محفوظ رکھنے کی اشد ضرورت ہے۔ سبزیوں کے دشمن کیڑے ہوتے ہیں۔ علاوہ کیڑوں کے بعض پودوں کو ایسی بیماری ہو جاتی ہے جس سے سب کیاری تباہ ہو جاتی ہے جب کسی سبزی کے توں کو کیڑا کھانا شروع کردے۔ تب ان پر خشک چونہ، تمباکو کی راکھ یا معمولی راکھ پتوں پر چھڑکنے سے یہ شکایت دور ہو جاتی ہے اگر دو چار پودے لامعلوم بیماری سے خراب ہونا شروع ہو جائیں تو ان کو فوراً اکھاڑ کر پھینک دینا چاہئے تاکہ دوسرے پودے خراب ہو جائیں

میں نے بعض گھرانوں میں ایسا بھی دیکھا ہے کہ جگہ کی قلت کی وجہ سے گملوں یا بڑے بڑے لکڑی کے بکسوں میں مٹی اور کھاد ڈال کر ہرا دھنیا، مرچ اور پودینہ بویا گیا ہے۔ اسی طرح سے سیم اور دوسری پھلیاں، کریلے، لوکی، توری اور میٹھے کی بیلیں گملے یا لکڑی کے بکسوں میں بو کر بکس وغیرہ دیوار کے برابر رکھ دیئے جائیں۔ تاکہ بیلیں بآسانی دیوار پر چڑھ کر چھت پر جا کر پھیل سکیں۔

سبزیوں کے باغیچے میں عام طور پر آٹھویں روز کیاریوں کو پانی سے بھر دینا چاہئے۔ برسات میں پانی دینے کی ضرورت بہت کم پڑتی ہے۔ زیادہ اور بار بار پانی دینے سے پودے سڑ جاتے ہیں۔ جب زمین زیادہ خشک اور پودوں کے پتے مرجھائے نظر آئیں تو سمجھ لینا چاہئے کہ پانی دینے کی ضرورت ہے۔ نالی کا طریقہ پانی دینے کے لئے سب سے بہتر ہے۔ اگر گھر میں یا باغیچہ کے پاس نل وغیرہ کا انتظام نہ ہو تو فوارے میں پانی بھر کر (باقی صفحہ ۳۰۴ پر دیکھئے)

سہرا اور سراسری

سہرے سے تو اُردو ادب آج سے نہیں سو برس سے کچھ زیادہ عرصہ ہوگیا روشناس ہے عصمتی بہنوں میں شاید ہی کوئی ہوں جنہوں نے غالب اور ذوق کے سہرے جو ظفر بادشاہ کے شہزادے کی شادی کے موقعہ پر لکھے گئے تھے نہ پڑھے ہوں۔ اُردو کے ان نامور شاعروں نے تو اپنے آقا بادشاہ کے فرزند دلبند کی شادی کی مبارکبادیں دینے کے لئے سہرے لکھے ہوں گے لیکن اب تو تمام ہندوستان میں خاص کر ہماری طرف نہ صرف امراء میں بلکہ متوسط حیثیت کے خاندانوں میں یہ رواج ہوگیا ہے کہ دولہا کے عزیز و قریب جو شعر موزوں کرنے کی کچھ بھی قابلیت رکھتے ہیں سہرا لکھ کر اس خوشی میں حصہ لیتے ہیں۔ اور یہ سہرے شادی کے جلسے میں جبکہ دولہا کے سہرا باندھا جاتا ہے پڑھے جاتے ہیں۔ نہ صرف پڑھے جاتے ہیں۔ بلکہ ان کی چھپی ہوئی کاپیاں حاضرین کو بانٹی جاتی ہیں۔ ۱۴۔ دسمبر کو میرے بھائی مسٹر ضیاء الحسن آفتاب کی شادی ہوئی تھی۔ اس موقعہ پر چالیس سہرے لکھے گئے۔ جن میں تیرہ خواتین کے بھی تھے۔ ہمارے یہاں سہرا دولہا اور دولھن دونوں کے سر پر باندھا جاتا ہے لیکن دولھن بنانے کے لئے اس کو سراسری اُڑھائی جاتی ہے۔ اور اس پر سہرا باندھا جاتا ہے۔

سراسری کیا ہے؟ یہ ایک قیمتی دوپٹہ ہوتا ہے جس پر سامنے کی طرف موتیوں کا ایک خوبصورت جال لٹکتا ہوتا ہے جو گھونگھٹ کا کام دیتا ہے۔ اس جال کے اوپر سونے کی پتر کی کلیاں نہایت خوبصورتی سے جڑی جاتی ہیں۔ یہ سراسری نہ صرف شادی کے دن دولھن کو دولھن بناتی ہے۔ بلکہ جب شادی کے بعد دولھن سسرال آتی ہے یا کسی تقریب میں دوسرے عزیزوں میں جاتی ہے تو سراسری کے بغیر کہیں نہیں جاتی۔ گویا یہ سراسری اس کے دولھن ہونے کا نشان ہوتی ہے۔ گیارہ ماہ کے بعد جب سراسری کے ٹھنڈا ہونے کی رسم ادا ہو جاتی ہے۔ تب یہ سراسری دولھن کے سر سے اُترتی ہے۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے سراسری کا رواج نہ صرف ہمارے شہر میں بلکہ روہیلکھنڈ اور قسمت میرٹھ کے اکثر خاندانوں میں ہے۔

شادی کو شادی بنانے کے لئے دولہا اور دولھن کی پوشاک میں کچھ نہ کچھ امتیاز کی ضرورت ہے۔ اور وہ سہرے اور سراسری کی بدولت ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ مجھے امید ہے کہ سہرے اور سراسری کے رواج کے مسئلہ پر اور بہنیں بھی اپنے اپنے خیالات کا اظہار کریں گی۔

اس تمہید کے بعد میں وہ منظوم مکالمہ پیش کرتی ہوں جو میرے بھائی کی شادی کے موقع پر میرے نانا مولانا نظامی بدایونی نے مجھے لکھ کر دیا تھا۔

مکالمہ

سہرے کو رات دیکھ کے بولی سراسری — میرے طفیل میں ہے یہ شادی رچی ہوئی

سہرے کا تھا جواب کہ ہم دونوں ایک ہیں — سہرے سراسری میں نہیں نام کو دوئی

کہنے لگی سراسری صورت تو دیکھئے — قامت کا فرق دیکھئے قیمت تو دیکھئے

سہرے نے یہ سنا تو وہ شرما کے رہ گیا — بس یہ کہا کہ میری رفاقت تو دیکھئے

سہرے سے ہنس کے کہنے لگی یوں سراسری — کیا خوب آپ اور رفاقت کے مدعی

دو دن بھی آپ ساتھ نہ میرا نبھائیں گے — میں تو مہینوں سر پہ رہوں گی چڑھی ہوئی

سہرے سراسری کی جب یہ رد و کد سنی — شادی کر کے بولی یہ از راہ ثالثی

دولہا دولھن کا دونوں کا سہرا بنا ہوا ہے — زینت فقط دلہن کی ہے بنتی سراسری

دونوں کا تھا جواب کہ ہاں بات ہے یہی — ثالث نے جو کہا ہے وہ ہے امر واقعی

آخر کو یہ ہوا پھر یہ فیصلہ — شادی کی جان سہرا ہے اور آن سراسری

عاصمہ خاتون حمیدی بدایونی

ایک سہیلی کی یاد میں

آہ وہ ملا تھی تری ہمسائیگی
باعثِ تسکینِ خاطر مایۂ دلبستگی
آہ وہ اجڑا سا اور سنسان تنہا سپتال
جس میں تھا آباد ہونے پر بھی اک قحط الرجال
جیتے جی دنیا میں دوزخ کی مثال
شکل تیری ایک مرقع یاس کا
آنکھ تیری منتظر رہتی تھی ہر صبح و مسا
کوئی گھر سے آ رہا ہوگا ہو وہ بھائی یا پتا
وہ ٹرین اب آ گئی
سیٹیاں دیتی ہوئی!
وہ تری نظروں کا اٹھنا بار بار
دیکھنا وہ سوئے در اور چونکنا ہر چاپ پر
دیر اب ہونے لگی
منتظر آنکھوں میں مایوسی سی پیدا ہو چلی
تو نے منہ کو ڈھک لیا
اور مضمحل سی ہو گئی!
کون جانے آہ کس دنیا میں جا کر کھو گئی

کھول آنکھیں دیکھ تو "یہ" کون ہیں
آ گئے "پاپا" ترے
رکھ دیا اپنا سرِ شوریدہ تو نے رکھ دیا
زانوئے شفقت پر ان کے پیار سے
ایک لڑی سی آنسوؤں کی بن گئی
سسکیوں کا بندھ گیا اک نارسا
ہیں یہ اشکِ غم ترے
یا ہیں یہ آنسو خوشی کے پھول سے رخسار پر
آہ یہ باتیں ہیں اب خواب و خیال
بیتنے پایا نہ پورا ایک سال
تیری دنیا کی گئی کایا پلٹ
اب نہ تو ہے اور نہ ہیں پاپا ترے
ایک ہی ہفتے میں دونوں آنجہانی ہو گئے
یاد لیکن دل سے جا سکتی نہیں
دل میں ہے ہمجولیوں کے جاگزیں
گو کلی تھی گلشنِ پنجاب کی
خاک میں یوپی کے لیکن تو ملی!

قیصر جہاں قیصر بنت بصیر بدایونی

ماں

صنفِ نازک کی ہیں ایسی بھی بہت سی خوبیاں
جو فقط ماں بن کے ہی عورت میں ہوتی ہیں عیاں
مامتا نے درگزر پر کر دیا مجبور انھیں
جن طبائع میں نہ ملتا تھا تحمل کا نشاں
جذبۂ شفقت نے ہلکے کر دیئے ان کے مزاج
نکہتِ گل بھی تھی جن نازک دماغوں کو گراں
کتنی راتیں تیر کر دیں اب انہوں نے جاگ کر
نیند اچٹ جانے سے ہوتا جن کی صحت کا زیاں
فلسفی ہو شاعرہ ہو یا ادیبہ ہو کوئی
جب وہ ماں بن جائے تو سمجھو کہ یاں آخر ہے ہاں
زیبؔ ہی وجدانِ مادر سے کچھ آگاہی نہیں
وہ جنابِ جوشؔ کے اس شعر کے قائل کہاں!

"جن لبوں کو چاٹ پڑ جاتی ہے تقبیلِ دہانِ ماں کی
ان کی گرمی کو ترستی ہے جبیں اطفال کی"

زیب عثمانیہ لودیانوی

دوشالہ

"دوشالہ" اردو کی مشہور ادیبہ محترمہ آمنہ نازلی (ادیب فاضل) کے تیرہ ڈراموں کا مجموعہ ہے جو زیادہ تر رسالہ عصمت میں شائع ہوکر خراج تحسین حاصل کرچکے ہیں۔ اور اب کتابی صورت میں ہمارے سامنے ہیں مُصنّفہ مُلک کی ان چند خاص لکھنے والیوں میں سے ہیں جن پر ہماری زبان کو ہمیشہ ناز رہے گا۔ آج کل افسانہ نویسی کے ساتھ ڈرامہ نگاری کا بھی زور ہے۔ جسے اچھی طرح قلم پکڑنے کا بھی سلیقہ نہیں ہے۔ وہ اس میدان میں کود پڑا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ "اب آبروئے شیوۂ اہلِ نظر گئی"۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ اس افراتفری میں بھی ہیں "دوشالہ" ایسا قابلِ قدر ڈراموں کا مجموعہ پڑھنے کو مل جاتا ہے۔ یوں تو اس مجموعہ کا ہر ڈرامہ تعریف کے قابل ہے لیکن "دوشالہ" تو بے نیازِ تحسین ہے۔

محترمہ آمنہ نازلی نے غریب و امیر کی کشمکش کی اتنی خوبی سے ترجمانی کی ہے جس کا اندازہ "دوشالہ" پڑھے بغیر آسان نہیں ہے۔ کلّو کی ماں مُردہ کو غسل دینے والی ایک غریب عورت ہے۔ گھر میں اس کا بوڑھا خاوند اور اس کی بہو (کلّو کی بیوی) رہتی ہے۔ ایک مرتبہ کلّو کی ماں کسی نواب کے یہاں سے مردہ کو نہلا دُھلا کر واپس ہوئی تو شیرمال قورمہ وغیرہ کے ساتھ ہی کفن کے اوپر کی سفید چادر اور ایک سبز دوشالہ بھی لے آئی۔ فاقہ مست بوڑھے نے قورمہ پر خوب بڑھ کر ہاتھ مارا۔ اور کہا "کلّو کی ماں تمہاری جان کی قسم آج تو شیرمال اس قدر خستہ ہے کہ مسوڑھوں کے نیچے آتے ہی حلوہ ہوئی جارہی ہے۔ اور قورمہ میں تو آدھ ادنٹ گھی اور زعفران پڑا ہے۔ جب ہی تو اس قدر مہک ہے۔ ... ہاں جی بڑے آدمیوں کی بڑی باتیں دیکھو گوشت بھی تو شاید دُنبہ کا ہے۔ (بوٹی دکھاکر) دیکھو تو یہ چکتی کی بوٹی ہے۔ اور دوسری پوٹلی میں کیا ہے؟"

یہاں سے ڈرامہ میں محترمہ نازلی نے مکالمہ و کردار نگاری کے ایسے ایسے نمونے پیش کئے ہیں۔ جو اپنا جواب نہیں رکھتے چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیے۔

کلّو کی ماں کفن کے اُوپر کی سفید چادر اور سبز دوشالہ بوڑھے کو دکھاکر کہتی ہے "کلّو کے ابا یہ سفید چادر تو اوپر کی ہے دیکھو اس کا لٹھا کتنا اچھا ہے۔ تمہارا پجامہ بن جائے گا اور یہ سبز دوشالہ میت کے اوپر ڈال کر لے گئے تھے۔ میں نے بیگم صاحبہ سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ میرا حق ہے۔ ان بیچاری نے واپس منگا کر مجھے دے دیا۔ اس کو تو میرے کلّو کی بہو اُوڑھے گی تو رانی لگے گی۔ رانی! ہیں نا کلّو کے ابا؟"

بوڑھا۔ "اگر تم ہی اوڑھ لو تو جانے کیسی معلوم ہو؟"

کلّو کی ماں۔ (ٹھنک کر) اُونہہ، تمہیں تو ہر وقت دل لگی سوجھتی ہے، بتانا بھلا کیسی لگوں گی؟"

بوڑھا۔ (دوشالہ کلّو کی ماں کو اڑھاکر) "لو آئینے میں دیکھو ایسی معلوم ہورہی ہو جیسی کسی نواب کی بیگم یا پٹھانی۔ بہو کو دے کر کیا کروگی۔ بس تم ہی اوڑھ لو۔"

جھونپڑی میں رہ کے محلوں کے خواب دیکھنا اسی کو کہتے ہیں۔ مگر ڈرامہ نگار کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ وہ اپنے طرزِ بیان سے ایسا منظر یا ماحول پیدا کردے جو حقیقی نظر آئے۔

کلّو کی ماں بوڑھے کا کہنا نہیں مانتی اور کہتی ہے کہ یہ دوشالہ تو بہو کو ہی دینے دو قریب ہی جو سیٹھ حبیب اللہ کی حویلی ہے۔ سُنا ہے کہ ان کی چھوٹی لڑکی بہت بیمار ہے

اور صبح شام کی ہو رہی ہے سیٹھ جی کے یہاں سے جو دوشالہ ملے گا وہ ایسا ویسا تو ہونے سے رہا نہ معلوم کمخواب کا ہو یا دردوزی (زردوزی) کا پھر نہ کہنا کلّو کی ماں تم تو یہ لے لو۔۔

کلّو کی ماں نہیں مانتی اور وہ اپنی بہو کو دوشالہ اوڑھا دیتی ہے۔ اور کہتی ہے۔ "دیکھنا کلّو کے ابّا۔ بہو دوشالہ اوڑھ کر ایسی الگ رہی ہے۔ جیسے پری کھڑی ہو۔ کلّو دیکھ کر بہت ہی خوش ہوگا۔"

بوڑھا۔ (غصہ سے) کلّو خوش ہوگا۔ کلّو خوش ہوگا۔ اری دیوانی میں تیرے اوڑھنے سے خوش ہوتا نہ کہ بہو کے اوڑھنے سے۔

کلّو کی ماں "تم تو گھبرائے جاتے ہو۔ ابھی تو سمجھا دیا کہ میں اس سے اچھا دوشالہ اوڑھ لوں گی۔ پھر کاہے کی فکر"

اس کے بعد کلّو کی ماں اور بوڑھے کی زبان سے مصنفہ نے جو کچھ کہلایا ہے وہ (Psycho Anolysis) (تحلیل نفسیات) کی نہایت عمدہ مثال ہے۔

بوڑھا۔ "لیکن یہ تو سوچو کلّو کی ماں آخر وہ سیٹھ جی ہیں نہ جانے کونسی دوائیاں اور ڈانکٹر (ڈاکٹر) آرہے ہوں گے۔ میرے منہ میں خاک اگر وہ لڑکی چنگی ہوگئی تو پھر اتنا بڑا موقع مشکل سے ہاتھ آئے گا۔"

کلّو کی ماں "لڑکی کی حالت تو دن دونی خراب سننے میں آرہی ہے۔ (ٹھنڈا سانس لے کر) اب اگر اچھی ہو جائے تو یہ ہمارے کرم کا کھوٹ ہے۔"

دن گزرنے لگے۔ روزانہ صبح اُٹھ کر سب اسی کا انتظار کرنے لگے کہ سیٹھ کی لڑکی کے مرنے کی خبر آجائے مگر ایسا نہ ہو سکا۔ ایک دن باہر سے دروازہ پر کسی نے پکارا یا دستک دی۔ کلّو کی ماں کو تو دن رات یہی خیال رہتا تھا کہ سیٹھ جی کے یہاں سے کوئی بلانے والا آتا ہوگا۔ وہ بغیر کچھ سوچے ہی سمجھی کہ بس سیٹھ جی کے یہاں سے بلاوا آگیا۔ اُس نے کچھ اچھی طرح سے سُنا بھی نہیں اور کہا "ہاں ہاں میں سمجھ گئی۔ انا للہ وانا لیہ راجون (انا للہ وانا الیہ راجعون)

بوڑھا جو تھوڑی دیر پہلے کلّو کی ماں سے سیٹھ جی کے یہاں سے "کوئی ایسی" خبر نہ آنے پر اپنی تشویش کا اظہار کر رہا تھا بول اٹھا "لو اب تم دیر نہ کرو جلدی سے کپڑے بدل کر چلی جاؤ کہیں وہ دوسری عورت کو نہ بلالیں اور کہیں اس کو ہی دوشالہ نہ مل جائے۔۔ اور دیکھو تو سیٹھ جی کے یہاں کا کھانا تو بہت ہی مزے کا ہوگا۔ کٹوردان ساتھ لیتی جانا۔ (خوشامدانہ لہجہ میں) اور دیکھنا کلّو کی ماں میرے لئے تو کھانا تم پہلے ہی دے جانا۔ ورنہ تم جانتی ہو کہ مجھے بھونک کے مارے سناٹے آنے لگتے ہیں۔"

کلّو کی ماں "تم بے فکر رہو۔ کھانا گھر میں آتے ہی لپک کر پہلے تم کو دے جاؤں گی۔ دیکھو یہ کٹوردان برقعہ میں چھپا کر لے چلی ہوں لیکن ابھی تو جا کر نہلانا ہے۔ کفنانا ہے اور پھر جب لوگ میّت گاڑھ کر واپس آئیں گے تب ہی تو کھانا اور دوشالہ ملے گا۔"

اتفاق کی بات سیٹھ جی کی لڑکی اچھی ہو چکی تھی غُسلِ صحت پر جشن منایا جا رہا تھا۔ اسی عالم میں جب کلّو کی ماں مُردہ کو غسل دینے کی نیت سے حویلی کے اندر پہنچی تو دھکے مار کر باہر نکال دی گئی اور جب روتی ہوئی گھر واپس ہوئی تو بڈھے نے سانس لے کر کہا "لیکن کلّو کی ماں تمھارا دوشالہ اور میرا کھانا! بہو نے تو چولھا بھی نہیں سُلگایا۔"

ڈرامہ کا یہی پلاٹ ہے۔ لیکن محترمہ آمنہ نازلی نے ذہنی کشمکش اور قلبی واردات کے ساتھ ہی کردار نگاری۔ مکالمہ نویسی۔ قوّتِ بیان اور مشاہدہ کی بہترین مثالیں پیش کی ہیں زبان خاص دہلی کی استعمال کی ہے۔ اس دہلی کی جس کے متعلق نسیم دہلوی فرما گئے ہیں ؎

نسیم دہلوی ہم موجد باب فصاحت ہیں
کوئی اُردو کو کیا سمجھے گا جیسا ہم سمجھتے ہیں

ہندوستان کی مایہ ناز ادیبہ محترمہ ڈاکٹر شائستہ اختر سہروردی نے بالکل سچ فرمایا ہے کہ محترمہ آمنہ نازلی صاحبہ

اپنے کردار کو چہ چیلاں کی گلیوں سے لیتی ہیں"۔ اس جملہ کا لطف وہ اصحاب بخوبی اٹھا سکتے ہیں جنہوں نے کبھی "کوچہ چیلاں" کی سیر کی ہوگی۔ قدیم دہلی اجڑ گئی نئی دہلی بس گئی۔ پرانے رسم و رواج خواب و خیال ہو گئے پھر بھی دہلی کے "کوچہ چیلاں" میں آپ کو قدیم تہذیب و معاشرت کی جھلک نظر آجائے گی "دوشالہ" میں وہی امیری غریبی کی کشمکش ہے۔ لیکن مصنفہ نے اپنے طرزِ بیان سے، زبان کی شیرینی اور مکالمے کی لطافت سے ڈرامہ میں جان ڈال دی ہے۔ آیئے اس ڈرامہ کا آخری "ڈراپ سین" بھی دیکھ لیجئے :۔

جب بوڑھے نے ٹھنڈا سانس لے کر کہا کہ میں یہاں تو اس انتظار میں تھا کہ تم جب میت کو نہلا کر آؤ گی تو زردہ بریانی، قورمہ، شیرمال اور نہ جانے کون کون قسم کے کھانے لاؤ گی تو کلّو کی ماں نے عجیب لہجہ میں کہا "چھوڑو دوشالہ اور کھانے کا ذکر نہیں تو میں اپنا سر پیٹ لوں گی"۔

بوڑھا مرغن غذا نہ پانے پر رنجیدہ تھا پھر بھی جب وہ اپنی غریب بوڑھی رفیقۂ حیات کو حد سے زیادہ غم زدہ اور شکستہ دل دیکھتا ہے تو اس کا جذبہ ہمدردی بیدار ہو جاتا ہے۔ اس موقع پر محترمہ آمنہ نازلی نے طنز نگاری کی حد کر دی ہے۔

بوڑھا "بگڑتی کیوں ہے بھاگوان! میں نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ رئیس آدمی بے مروا دار ہیں ہوتے ٹیک دیں گے ۔۔۔ اور سچ پوچھو تو کلّو کی ماں! ان امیروں کی جان بڑی مشکل سے نکلتی ہے۔ ہماری تمہاری جان تھوڑی ہے کہ موٹر دبا کر چلی گئی۔ سردی سے اکڑ کر ختم ہو گئے۔۔۔"

بہ سماج کی کمزوریوں سے خوب واقف ہیں۔ وہ اس ڈرامہ کا خاص لطف اٹھا سکتے ہیں۔ میں نے اس ڈرامہ کو کئی مرتبہ پڑھا ہے۔ اور ہر مرتبہ نیا لطف آیا ہے۔ چنانچہ میں "دوشالہ" کو محترمہ آمنہ نازلی کا شاہکار اور اس مجموعہ کی "روح" سمجھتا ہوں دوشالہ کے علاوہ اس مجموعہ میں

اور بھی ۱۲۔ مختصر ڈرامے ہیں جن پر مفصل لکھنا تو طوالت سے خالی نہ ہوگا۔ پھر بھی میں چند ڈراموں پر ایک سرسری نظر ڈالنا مناسب سمجھتا ہوں۔

"انّا"۔ غریبی میں کبھی ایسا بھی وقت آتا ہے کہ ماں اپنے شیر خوار بچّہ سے جدا ہو جاتی ہے۔ کچھ اپنے لئے نہیں بلکہ اپنے دودھ پیتے بچے کی بہبودی کے لئے ایک ماہرِ نفسیات کی حیثیت سے محترمہ آمنہ نازلی نے امیر و غریب والدین کی ذہنی کشمکش کا اس ڈرامہ میں بہت خوبی کے ساتھ تقابل کیا ہے۔

منصور ایک خوش حال جاگیردار ہے۔ اس کو اپنے لاڈلے بچے منہود کے لئے انّا کی ضرورت ہے۔ وہ اپنی بیگم سے وعدہ کرتا ہے کہ ایک ہفتہ کے اندر وہ انّا کا انتظام کر دے گا۔ جاگیردارن کو یقین نہیں آتا۔ وہ جواب دیتی ہے کہ "آپ کو معلوم نہیں کہ ان دودھ پلانے والیوں کے دماغ کس قدر بگڑے ہوئے ہیں۔ ہزاروں خوشامدوں سے تو راضی ہوتی ہیں۔ اور پھر ٹک جائیں تب جانئے"۔

امیروں کے لئے ہر چیز آسانی سے مل سکتی ہے۔ منصور ہنس کر اپنی بیگم سے کہتا ہے "میری بھولی بیگم پیسے میں تو وہ قوت ہے کہ بچے سے ماں، بہن سے بھائی اور شوہر سے بیوی کو دم کے دم میں چھڑا دیتا ہے۔ جب مٹھی بھر کر روپے دیں گے تو محال ہے کہ انّا نہ ملے"۔

جاگیردار کا گماشتہ گاؤں میں جا کر غریب "چرنجی" کو بہکاتا ہے کہ وہ اپنی عورت کو بطور انّا ہمارے نواب صاحب کے یہاں ملازم رکھا دے تیس روپے ماہوار ملیں گے۔ چرنجی یہ خوشخبری اپنی غریب بیوی "دھنو" کو سناتا ہے۔ وہ بھی خوشی کا اظہار کرتی ہے۔ "تم مجھے فوراً نواب صاحب کے یہاں بھیج دو۔ ایک چھاتی کا دودھ میرا "بھوندو" پئے گا۔ اور دوسری سے نباب صاب (نواب صاحب) کے بالک کو پوا (پلا) دیا کروں گی"۔

اس کا شوہر اس کے جواب میں جب یہ کہتا ہے کہ "وہاں بھوندو نہیں جا سکتا۔ وہاں تو صرف تیری ضرورت ہے" تو ماں کی ممتا تڑپ جاتی ہے۔ اور بے چینی سے جواب دیتی ہے۔ "نہیں نہیں میں اپنے بھوندو کو چھوڑ کر نہ جاؤں گی۔ (اپنے بھوندو کا منہ چوم کر) نہ بابا مجھے ایسا ویسہ نہ چاہئیے (رو کر) اور اگر میرے بھوندو کو کچھ ہو گیا۔ تو میں کیا کروں گی"۔

مرد کا دل سخت ہوتا ہے۔ وہ اپنی عورت کو سمجھاتا ہے۔ کہ "دل کڑا کر کے دیکھو تو سہی پگلی۔ جب تو تیس روپئے کمائے گی تو جانے ہے تیرا بھوندو کیسے لتّے پہنے گا"۔

دھنّو۔ (دو مخالف جذبات سے متاثر ہو کر) جانوں ہوں بھوندو کے چاچا! پر اس ہردے کا، کے کروں۔ (رونے لگتی ہے)

اس کے بعد مصنّفہ نے حسرت و یاس کی ایسی دلکش تصویریں کھینچی ہیں۔ جن کا لُطف مکمل ڈرامہ پڑھنے ہی سے آسکتا ہے۔

ماں:۔ جب تک عورت ماں نہیں بنتی وہ آسانی سے کسی کے بہکانے میں آسکتی ہے لیکن "ماں" بننے کے بعد شیطان کو ورغلانے کو کم موقع ملتا ہے۔ ڈرامہ کا یہی پلاٹ ہے۔ اور مصنّفہ نے بڑی قابلیت سے اس کو مکمل کیا ہے ذرا میاں بیوی کی نوک جھونک سنئیے۔

شمیمہ کی شادی عرفان ایسے خوش حال نوجوان سے ہوتی ہے۔ جو کچھ لاپرواسا ہے۔ وہ اپنی بیوی کے گرد ہر وقت پروانہ کی طرح چکّر نہیں لگاتا۔ اسی بات پر اکثر میاں بیوی میں تُو تُو مَیں مَیں ہوتی رہتی ہے۔ ایک دن زیادہ رات گئے جب عرفان اپنے گھر واپس آیا تو بیوی نے ٹوکا۔ عرفان نے بُرا مانا اور کہا۔ "اگر تم نے پابندیاں عائد کیں تو خدا کی قسم میں کہیں ایسا غائب ہو جاؤں گا کہ پھر تم میری شکل تک نہ دیکھ سکو گی"۔

شمیمہ:۔ "اگر پابندی سے اس قدر گھبراتے تھے تو پھر شادی کیوں کی تھی۔ خود آزاد رہتے اور دوسروں کی زندگی بھی رنج میں نہ ڈالتے"۔

عرفان:۔ آخر تم چاہتی کیا ہو؟ یہی ناکہ چوبیس گھنٹے تمہارے کھوئے سے کھوا ملائے بیٹھا رہوں"؟

شمیمہ:۔ "میں تم سے وہی چاہتی ہوں عرفان جو ایک شریف عورت اپنے شوہر سے چاہ سکتی ہے"۔

اس شور و غل سے نانی اماں بیدار ہو جاتی ہیں۔ اور عرفان کے کمرے میں پہنچ کر عرفان کو للکارتی ہیں۔ "بہت بڑھ بڑھ کے بولنے لگا ہے تو عرفان لیس چُپکا ہو جا یہ بھی تو خیال نہیں کرتا کہ اب باوا بننے والا ہے"۔

"عورت مرد سے کیا چاہتی ہے؟" اور "باوا بننے والا ہے" کے مختصر مکالمے میں جو کچھ کہہ دیا ہے۔ اس کی تعریف جتنی بھی کی جائے کم ہے "باوا بننے والا ہے"۔ کے فقرے میں جو بزرگانہ تنبیہ ہے۔ شاید اسے ہماری نئی روشنی والیاں اچھی طرح نہ سمجھ سکیں لیکن قدامت پرست شریف گھرانوں میں ایسے فقرے "تنبیہ الغافلین" کا کام دیتے ہیں۔

عرفان سے شادی ہونے سے پہلے شمیمہ اپنے پھوپی زاد بھائی سے منسوب ہونے والی تھی۔ وہ بھی دل سے عزیز کو ہی پسند کرتی تھی۔ لیکن ایسا نہ ہو سکا اور قسمت نے اُسے عرفان کے سپرد کر دیا۔ عرفان سے شادی ہونے کے بعد ایک دن عزیز شمیمہ سے آکر ملا اور اسکو ورغلانے لگا"۔

عزیز:۔ "شمیمہ تم کو یاد ہوگا کہ ماموں جان نے عرفان کے آگے میرے پیغام کو کس بیدردی سے ٹھکرا دیا تھا لیکن میرے دل میں اب بھی وہی محبت اور عزت ہے"۔

شمیمہ:۔ "گزرے ہوئے واقعات کو نہ دہراؤ میری قسمت میں یہ دکھ تھا تو پھر سُکھ کیسے ملتا"۔

عزیز: "شمیمہ تم پڑھی لکھی لڑکی ہو۔ ایسی کم ہمتی اور مایوسی کی باتیں کرتی ہو۔ اگر عرفان تمہاری طرف سے لاپروا ہیں۔ تو تم بھی ان کے ساتھ وہی سلوک کرو۔ ذرا ان کے بھی تو تیس ہو۔"

گویا آج کل کے لحاظ سے لڑکی "پڑھی لکھی" ہو تو وہ اپنے شوہر کو ناکوں چنے چبوا سکتی ہے۔ تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں محترمہ آمنہ نازلی نے اپنے زور قلم سے خوب کچو کے دیئے ہیں۔ عزیز پھر فقرہ کستا ہے" بھلا عرفان جس نے ساری عمر دوست احباب اور رنگ رلیوں میں گزاری وہ کیا جانے کہ ایک تعلیم یافتہ نوجوان بیوی کے جذبات کس قدر نازک اور حساس ہوتے ہیں۔ وہ شوہر سے دوستانہ برتاؤ کی خواستگار ہوتی ہے نہ کہ ایسے غیر ہمدردانہ سلوک کی۔"

تیر نشانہ پر بیٹھا۔ شمیمہ پگھل گئی اور بولی" کاش عرفان کے خیالات بھی ایسے ہی پاکیزہ اور بلند ہوتے۔"

عزیز: "تعجب ہے کہ تم اب بھی عرفان عرفان کئے جاتی ہو چھوڑو اس خیال کو اس میں سوائے سوختگی کے کچھ نہیں رکھا"

شمیمہ: "پھر تمہیں بتاؤ عزیز میں کیا کروں۔"

سین بدلتا ہے۔ چار مہینے گزر جاتے ہیں۔ عزیز پھر شمیمہ سے ملنے آتا ہے لیکن اب شمیمہ وہ پہلی والی شمیمہ نہیں رہی اب وہ "ماں" بن چکی ہے۔" جس کے پاؤں کے نیچے جنت ہے۔" جب تک ماں نہ بنی تھی شیطان کو بہکانے کا موقع مل سکتا ہے لیکن ہندوستانی ماں کو بہکانا آسان نہیں عزیز نے پھر پہلے کی طرح شمیمہ سے اوٹ پٹانگ باتیں کیں تو شمیمہ نے کہا" گزری ہوئی باتوں کو بھول جاؤ۔ عزیز ان کو بھلا دینا ہی اچھا ہے۔"

عزیز: "ایسا نہ کہو شمیمہ آخر کیوں؟ میں نے ایسا کیا قصور کیا تم نے مجھے دھوکے میں کیوں رکھا۔"

شمیمہ: "میں نے تمہیں دھوکا نہیں دیا عزیز۔ ہاں اُس وقت کی فضا سے تم غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے ہو گے۔ تم خود ہی سوچو کہ میں تم سے کس طرح محبت کر سکتی ہوں (اپنی سوتی ہوئی بچی سرور کے بالوں کو سنوارتے ہوئے) تم جانتے ہو عزیز اُس وقت میں صرف عرفان کی بیوی تھی۔ اور اب ماں ہوں۔ اس معصوم بچی کی تم چاہتے ہو کہ میں اس کو دھوکا دوں۔ اور اپنے غیر شریفانہ جذبات کے سامنے اس کی معصوم امنگوں کو پیس ڈالوں نہیں ایسا ہرگز نہ ہوگا۔ مجھے اپنے ولولوں کو روندنا ہوگا۔ اپنی خواہشوں کو کچلنا پڑیگا مجھے اپنی بچی کو اخلاق و شرافت کا مجسمہ دیکھنے کے لئے خود اخلاق و ایثار کا مرقع بننا ہے مجھے عرفان سے محبت کرنی ہوگی ان کی کمزوریوں پر پردہ ڈالنا پڑے گا۔ اپنی ذات کے لئے نہیں سرور کی خاطر۔"

یہ ڈرامہ بھی "دوشالہ" کی طرح شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے الفاظ کی بندش۔ فقروں کا تسلسل مکالمے کی خوبیوں کے ساتھ ہی "ماں" کے جذبات کی بہت اچھی ترجمانی کی گئی ہے۔

شوہر کی شادی ۔ ایک ادھیڑ عمر رئیس سوداگر کے" بھیڑیا چال" کی پر لطف داستان ہے۔ خود ادھیڑ عمر کے ہوتے ہوئے بھی اپنی ادھیڑ عمر کی بیوی کو پسند نہیں فرماتے چنانچہ اس کو اپنی جھوٹی محبت کا یقین دلا کر بیوی کے ذریعہ ہی سے دوسری شادی ایک کمسن عورت سے کر ڈالتے ہیں۔ اور پھر وہی ہوتا ہے جو دنیا میں ہمیشہ ہوتا آیا ہے کہ "نئی آئی پُرانی کو دور کر دی"۔ اس ڈرامہ میں حقیقت نگاری اپنے عروج پر پہنچ گئی ہے جمیل یوں تو ہمیشہ اپنی بیوی حسن آرا سے لڑتا رہتا ہے لیکن ایک دن جب وہ کہتی ہے کہ" میں خوشی سے کہتی ہوں کہ اگر تم چاہو تو ایک شادی اور کر لو۔ شاید تمہارا دل بہل جائے" تو جمیل بہت خوش ہوتا ہے۔ لیکن مکر سازی سے کام لیتا ہے اور اسی بیوی سے جس سے وہ چند منٹ پہلے لڑ رہا تھا اب اسی کی تعریف کرنے لگتا ہے" ایسی باتیں نہ کرو بیگم خواہ مخواہ میرے دل کو صدمہ پہنچاتی ہو بھلا تمہاری ایڑی دیکھ کر میں کسی اور کی صورت دیکھ سکتا ہوں۔"

نادان بیوی جو ہمیشہ شوہر کی جھڑکیاں سنتی رہتی تھی آج اس کی زبان سے اپنی تعریف سُن کر خاموش ہو جاتی ہے وہ یہ بھول

جاتی ہے کہ اس کا مرد خود غرض ہے بے وفا ہے اور فخر و تمکنت سے کہتی ہے "خدا نہ کرے دُکھ کی کیا بات ہے میں تو تمہاری راحت و آرام کی خواہشمند ہوں نہ کہ تکلیف اور دُکھ پہنچاؤں گی"۔

چنانچہ حسن آرا بہت جلد جمیل کے جھانسے میں آجاتی ہے اور جب وہ پوچھتی ہے کہ "یہ بتاؤ کہ لڑکی کی عمر کتنی ہونی چاہیئے"۔ تو ادھیڑ عمر کا شوہر جواب دیتا ہے کہ "یہ تو ایک موٹی سی بات ہے اگر زیادہ عمر کی لڑکی لائیں تو وہ تم سے کسی طرح نہ دبے گی۔ میری رائے میں تم چودہ پندرہ سال سے زیادہ عمر کی لڑکی نہ دیکھنا (ٹھنڈا سانس بھر کر) ورنہ میری بیگم یہ سمجھ لو کہ تمہاری جان زیچ میں پڑ جائے گی"۔

حسن آرا جب اپنی خالہ زاد بہن سروری سے کہتی ہے کہ وہ اپنے شوہر کی دوسری شادی کرنا چاہتی ہے تو اس کو حیرت ہوتی ہے اور سمجھاتی ہے کہ "حسنا بیگم کیسی بچوں کی سی باتیں کر رہی ہو کس قدر خلاف فطرت۔ خلاف عادت اور خلاف عقل بات ہے۔ کیا ایک عورت حقیقی رضامندی کے ساتھ اپنے آرام اپنے سُکھ اور اپنی محبت کو ایک دوسری عورت کی بھینٹ چڑھا سکتی ہے۔ کیا ایک سلطنت میں دو بادشاہ اور ایک نیام میں دو تلواریں رہ سکتی ہیں"۔

حسن آرا اپنی خالہ زاد بہن کی نصیحت نہیں مانتی اپنے شوہر کی دوسری شادی کرا دیتی ہے اور اخیر میں خود اپنے ہاتھوں گھر سے بے گھر ہو جاتی ہے۔

بھابجی۔ یہ ڈرامہ نہایت سبق آموز اور عبرت انگیز ہے جو بیویاں اپنی جوان کنواری بہنوں کو سسرال میں بلا کر اتنی غافل ہو جاتی ہیں کہ اپنی عدم موجودگی میں بھی اُن کو اپنے شوہر کے ساتھ تنہائی میں رہنے کا موقع دیتی ہیں ان کو ایک دن اپنی حماقت کا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے مصنفہ نے اس ڈرامہ کے ذریعہ سے جو عورتوں کو تنبیہ کی ہے وہ کسی مولوی یا مُلّا کے وعظ سے بھی ممکن نہ تھی۔

اور خود۔ ایک سرکاری افسر موتی لال کی بیوی اپنے میکے گئی ہوئی ہے۔ ان کی غیر حاضری میں افسر صاحب کو خوب کھیل کھیلنے کا موقع ملتا ہے۔ وہ بزعم خود بڑے شریف تعلیم یافتہ و شریف ہیں لیکن تنہائی میں رہ کر وہ شیطان ثابت ہوتے ہیں۔ ان کی نیت اپنے مالی کی نوجوان بیوہ "تارا" پر خراب ہوتی ہے وہ اُسے سیم و زر کا لالچ دے کر بہکانا چاہتے ہیں لیکن وہ غیر تعلیم یافتہ اور غریب ہوتے ہوئے بھی ان کے جال میں نہیں پھنستی وہ موتی لال کے جوان چوکیدار "پورن" کو پسند کرتی ہے۔ موتی لال کو بہت ناگوار گزرتا ہے۔ اس کی سمجھ ہی میں نہیں آتا کہ ایک رئیس کو چھوڑ کر وہ غریب چوکیدار کو کیوں چاہتی ہے۔ رقابت کی آگ میں جل کر وہ اپنے چوکیدار کو بلا کر بہت سخت و سست کہتا ہے "بدمعاش تو بڈھے مالی کی کوٹھری میں گھُسا رہتا ہے۔ خوب دوستی گانٹھ رکھی ہے۔ اس کی لونڈیا سے ... ... نمک حرام ہماری بدنامی پر تلا ہوا ہے۔ بے غیرت۔ کمینے اٹھا بوریا بدھنا اور غارت ہو یہاں سے"۔

بڑی مشکل سے پورن چوکیدار کو معافی ملتی ہے۔ صرف اس شرط پر کہ آئندہ پھر اگر کوئی بات سننے میں آئی تو پستول سے خاتمہ کر دیا جائے گا۔ اس کے بعد سین بدلتا ہے۔ اور بنگلا بھگت سرکاری افسر شام کو اپنی بیوی کی سہیلی "ملنی" کے ساتھ اپنے بنگلہ کے ایک کمرہ میں راز و نیاز میں مشغول نظر آتے ہیں پورن چوکیدار کی آنکھوں سے اُن کی پارسائی کا پردہ ہٹ جاتا ہے افسر صاحب کی دورُخی چال دیکھ کر وہ دنگ رہ جاتا ہے۔ "خود را فضیحت دیگراں را نصیحت" کا یہ کھُلا منظر دیکھ کر اس کے دل سے اُس کا ڈر جاتا رہتا ہے۔ وہ سمجھ گیا کہ اب اگر اسے ڈانٹا گیا تو کہہ دے گا۔ "اور تم اپنی کہو" بڑے شریف بنتے ہیں ..."۔

جوان عورت صرف روپے پیسے ہی پر نہیں مرتی بلکہ وہ اپنا ہم عمر ساتھی چاہتی ہے۔ وہ اپنے ہم عمر ہم خیال مرد کے ساتھ غربت میں بھی ہنسی خوشی رہ سکتی ہے۔

ڈرامہ ٹرارواں دواں اور دلچسپ ہے۔

ان ڈراموں کے علاوہ اور بھی ڈرامے پڑھنے کے قابل ہیں لیکن میں کافی سے زیادہ لکھ چکا ہوں۔ ان ڈراموں میں محترمہ آمنہ نازلی نے دولت۔ افلاس۔ غم غصہ۔ محبت و نفرت۔ عیاری مکاری، سادہ کاری کی بہترین مثالیں پیش کی ہیں۔ وہ خود عورت ہیں۔ اور انہوں نے عورتوں کے جذبات کی اتنی اچھی مصوری کی ہے۔ جس کی تعریف نہیں کی جا سکتی ان کے ڈراموں کے پڑھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ زندگی اور زندگی کی گہرائیوں سے خوب واقف ہیں۔ ان کا مشاہدہ بہت بلند ہے۔ طنز نگاری میں انہیں خاص ملکہ ہے وہ اپنے زورِ قلم سے اپنے خاص انفرادی رنگ میں بڑی خوبصورتی سے کرداروں کو پیش کرتی ہیں۔ ان کے کردار اصلی سچے اور حقیقت سے قریب ہوتے ہیں۔ ان میں اچھائیاں بھی ہوتی ہیں۔ اور برائیاں بھی۔ ان کے ڈراموں کی زبان نہایت شیریں اور بامحاورہ ہوتی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ان کے ڈراموں میں بہت روانی ہوتی ہے۔ سنجیدہ ظرافت میں وہ اپنا جواب نہیں رکھتیں۔ مختصر یہ ہے کہ محترمہ آمنہ نازلی ڈرامہ نویسوں کے صف اول میں جگہ پانے کی مستحق ہیں۔ بے عیب ذات تو صرف خدا کی ہے میری نظر تو ڈراموں کی خوبیوں ہی پر پڑی ہے۔ اس کی ریویو کے لئے حاسدِ کم نگاہ کی نظر کافی ہے۔

کتابت نفیس۔ طباعت روشن۔ کاغذ عمدہ ہے دیدہ زیب گرد پوش ضخامت ۲۲۶ صفحات۔ کتاب مجلد قیمت صرف ڈیڑھ روپیہ جو کتاب کی خوبیوں کو دیکھتے ہوئے کچھ بھی نہیں ہے۔

اعظم کریوی

آزمودہ نسخے

فروری کے پرچہ میں کسی بہن نے دانتوں سے خون نکلنے کی شکایت کی ہے۔ میں اپنے آزمودہ دو نسخے لکھتی ہوں انشاء اللہ آرام ہو جائے گا۔

۱۔ دانتوں سے خون نکلنے کی دوا۔ پھٹکری دو تولہ کھلنے کا سوڈا ۲ تولہ پیس کر دونوں کو کافی پانی میں ملالیں اور بوتل میں بھرلیں۔ دن میں پانچ چھ دفعہ اس سے کلی کریں۔

۲۔ دانت جمانے کی دوا سرسوں کے تیل میں باریک نمک پیس کر ملالیں۔ سوتے وقت دانتوں پر ملیں اور پان کھا کر سو رہیں۔ کلی نہ کریں۔ دانت جم جائیں گے۔

۳۔ آنولے کا تیل۔ ایک سیر آنولے ۴ سیر پانی میں ایک دن ایک رات بھیگے رہنے دیں۔ پھر دو سیر خالص سرسوں کا تیل اس میں ڈالیں اگر چاہیں تو خوشبو کے لئے یہ چیزیں اس میں شامل کرلیں۔

بالچھڑ ۲ تولہ۔ چھڑ چھڑیلہ ۲ تولہ۔ ناگرموتھہ ۲ تولہ اور ایک بڑے برتن میں ڈالیں پھر دو پیسہ (پیسہ سوراخ دار نہ ہو) اس میں ڈال کر آٹے سے برتن کا منہ بند کردیں اور چولھے پر چڑھا دیں۔ جب تک پیسے بجتے رہیں سمجھئے کہ پانی خشک نہیں ہوا۔ جب پیسے بجنے بند ہو جائیں تو اتار لیں۔ کپڑے میں چھان لیں اور استعمال کریں۔

۴۔ موٹاپا دور کرنے کا مجرب نسخہ۔ رات کو ایک بڑے برتن میں نیم کی پتیوں کو پانی میں جوش دیں۔ اور ہری مکوہ بھی شامل کرلیں۔ صبح کو پانی ٹھنڈا ہو جائے تو ٹب میں ڈال دیں۔ اور ٹب میں بیٹھیں۔ پانی میں تھوڑا نمک بھی ڈال لیں۔ تولیہ بھگو بھگو کر پیٹ پر پھیرتے جائیں۔ مسلسل کئی دن ایک یا ڈیڑھ گھنٹہ اسی طرح نہائیں۔ غذا میں دودھ دہی، شکر، انڈا، گھی، گوشت بالائی۔ شکر قندی اسی قسم کی اور چیزیں نہ کھائیں ۴۔

۴ سبز ترکاریاں استعمال کریں۔ ترکاریاں نمک مرچ ڈال کر ابال کر استعمال کریں۔ ادرک، لیموں، زیادہ استعمال کریں۔ پھل بھی استعمال کریں۔ اس علاج سے کئی آدمیوں کا موٹاپا جاتا رہا ہے۔ مسز ممتاز الحق صدیقی

ہم بڑے آدمی ہیں!

"تاڑ کے درخت تنتے ہیں اور میوے کی ڈالیاں جھکتی ہیں" شیلا نے طنز آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ میں نے جل کر کہہ دیا "انگور کھٹے ہیں!" شیلا بولی "جھونپڑوں میں رہنے والوں کو جو سکھ ہوتا ہے۔ اور دال روٹی کھا کے جو نیند ملتا ہے وہ خوشنما محلوں میں رہنے، قورمہ اور بریانی کھا کر انھیں چورن کے ذریعہ ہضم کرنے سے نہیں مل سکتی"۔

میں بولی "کھسیانے کا کھی" حسد کے مارے تم جو چاہو کہو مگر شیلا تمھیں کیا معلوم کہ شراب کے نشہ سے کیسا سرور ہوتا ہے جب تم نے شراب چکھی ہی نہیں"۔

"شادی نہیں ہوئی تو کیا بارات بھی نہیں دیکھی! تم جیسوں کے گن دیکھ کر بھگوان سے دعا کرتی ہوں کہ سماج کو ان جونکوں سے چھٹکارہ دلائے"۔ شیلا نے بڑی متانت سے جواب دیا۔ میں نے کہا "ذرا ہم بھی تو سنیں کہ ہم نے سماج کے ساتھ کیا برتاؤ کئے ہیں؟ خدا نے ہمیں بڑا آدمی بنایا تو اس سے سماج کا کیا بگڑا۔ ہم اپنے پیسوں سے اونچے اونچے محل بنواتے ہیں، اپنی خدمت کے لئے نوکر اور مامائیں رکھتے ہیں، اپنی مصروفیتوں کے باعث ملنے کے اوقات مقرر کر رکھے ہیں۔ ایرے غیرے نتھو خیرے قسم کے لوگوں سے ملنے کے لئے ہمارے پاس اگر وقت نہیں تو اس میں سماج کا کیا اجارہ ہے؟ خدا کی دی ہوئی دولت کو ہم جس طرح چاہیں صرف کریں۔ سماج کے سینے پر سانپ کیوں لوٹتے ہیں؟ اور پھر سوسائٹی تو ہمارے اشاروں پر ناچتی ہے، زندگی کے سارے کھیل ہمیں خوش کرنے کی خاطر کھیلے جاتے ہیں پیسہ وہ چیز ہے جس سے سماج تو سماج لوگ بھگوان کو بھی خوش کر سکتے ہیں۔ یاد رکھو شیلا، غربت بہت بڑا جرم ہے۔ تم جس سماج کا گیت الاپ رہی ہو۔ اس میں غریبوں کے لئے کوئی جگہ نہیں۔ یہ سوسائٹی کے دامن پر بدنما دھبے ہیں۔ انھیں جینے کا کوئی حق نہیں ہے۔

شیلا کے چہرے پر اداسی کے آثار بڑھ رہے تھے اور مجھے سکون مل رہا تھا۔ وہ بولی کل کے بنئے آج کے سیٹھ قسم کے دماغوں کا علاج سوشلسٹ ہی کریں گے۔ تم جیسوں کی فرعونیت کا اگر کچھ دنوں اور یہی عالم رہا تو پرمیشور ہی ہمارا بیڑا پار لگائے!

میں نے کہا "سوشلسٹ کو بھی پیسوں کی ضرورت ہوتی ہے تو ہماری خوشامد کرتا ہے۔ ہمارا ہی کھاتا ہے اور ہم پر ہی غراتا ہے، مگر شیلا، یہ تو بتاؤ کہ تمھیں ہم جیسے بڑے آدمیوں سے کیوں بغض ہے؟" کہنے لگی "پوتڑوں کے رئیس ہم نے دیکھے ہیں کیا مجال جو ان کی باتوں اور نقل و حرکت پر گھمنڈ کا شبہ بھی ہوتا ہو۔ باوضع، با اخلاق، بامروت غریبوں کی سیوا کرنا، ہر ایک سے جھک کر ملنا، سب کی ضرورت میں کام آنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ اپنی دولت کا صحیح مصرف اور اپنے مرتبہ کی سچی قدر ایسے ہی لوگ جانتے ہیں اور ایک وہ گھمنڈی اور خر دماغ ہیں جنہیں خلاف امید اچانک دولت یا بڑا عہدہ ہاتھ آجاتا ہے۔ وہ اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے پیسہ ان کا ایمان بن جاتا ہے، غریب عزیزوں اور دوستوں کی خبر لینا اور ان سے اخلاق کے ساتھ پیش آنا تو درکنار بھگوان کو بھی اٹھا کر طاق پر رکھ دیتے ہیں۔ اونٹ جب پہاڑ تلے آتا ہے تو اس کا بلندی کا گھمنڈ خاک میں مل جاتا ہے لیکن پہاڑ سے دور ہوا اور پھر اترانا شروع کر دیتا ہے۔ وہی حال تم جیسے بڑے آدمیوں کا ہے۔ اپنے سے زیادہ پیسے والے کے سامنے تم بھیگی بلی گڑگڑا کر باتیں کرتے ہو کہ جیسے تم سے زیادہ

خلیق اور منکسر مزاج کوئی اور نہیں لیکن غریبوں کے سامنے ڈینگیں ہانک کر ان کا جی تھوڑا کرنے میں انہیں خاص لطف آتا ہے۔

ابھی شیلا یہ باتیں کر ہی رہی تھی کہ کسی نے ملاقات کی گھنٹی بجائی۔ ماما باہر گئی اور وہاں سے لوٹ کر لیڈی عظمت اللہ کے آنے کی اطلاع دی۔ میں شیلا سے کچھ کہے سنے بغیر ڈرائنگ روم کی طرف ماما سے یہ کہتی ہوئی بڑھی کہ ان کو ملاقات کے کمرے میں بٹھاؤ میں لباس تبدیل کر کے ابھی آئی۔ جلدی جلدی میں نے میک اپ کیا۔ بھاری ساری پہنی اور جڑاؤ زیور سے آراستہ پیراستہ ہو کر ملاقات کے کمرے میں آئی۔ لیڈی عظمت اللہ اور ان کی پندرہ سالہ صاحبزادی سے صاحب سلامت اور مزاج پرسی کے بعد بوائے کو چائے لانے کا حکم دیا اور لیڈی صاحبہ سے باتوں میں اتنی منہمک ہو گئی کہ شیلا کی موجودگی کا احساس بھی نہ رہا۔ مس عظمت نے شیلا کو مخاطب کر کے پوچھا۔ "آپ نے یہ ساڑی کہاں سے خریدی بڑی اچھی وضع ہے، میں بھی ایسی ساری اپنے لئے لاؤنگی" لیڈی عظمت نے ساری کا آنچل ہاتھ میں لے کر الٹا پلٹا اور بے توجہی سے بولیں "معمولی وضع ہے۔ ایسی ہی ساری تو ریسٹورنٹ میں بے بی کی آیا کو لا دی ہے"۔ شیلا نے کہا "خدا مبارک کرے لیکن لیڈی صاحبہ آپ نے سنا ہوگا کہ شاہان اودھ کی بیگمات بہت سادہ لباس پہنتی تھیں اور زیور سے اپنی آرائش کرنا معیوب سمجھتی تھیں بلکہ اپنی مہریوں اور خواصوں کو بھاری بھاری جوڑے پہنا کر اور جڑاؤ زیورات سے آراستہ کر کے اپنے ہمراہ محفلوں میں لے جاتی تھیں۔ بھلا یہ تو فرمائیے کہ دولت موجود ہوتے ہوئے دولت سے سہ دہری برتنا بڑائی کی علامت ہے یا دولت پا کر اس پر اترانے میں ہتک ہے"؟

لیڈی عظمت تو لو لتیں یا نہ بولتیں مگر میں اپنی معزز مہمان کی شان میں گستاخی کا سخت جواب دینے والی ہی تھی کہ ثریا آ گئی۔ اس کو دیکھتے ہی میرے پاؤں تلے کی زمین سرک گئی۔ اس کی بڑی منت سماجت کے بعد میں اس کی بیٹی کی بسم اللہ اور میلاد میں شرکت کا وعدہ ایک ہفتہ پہلے کر چکی تھی لیکن تقریب کے دن لیڈی عظمت نے ٹیلیفون کیا اور مجھے تاج میں شب کے کھانے کی دعوت دی۔ جو میں نے فوراً منظور کر لی اور ثریا کے ہاں تقریب میں نہیں گئی اور نہ اس سے معذرت ہی کہلا بھیجی خجالت کو بڑائی کے پالش سے چھپاتے ہوئے میں نے رسمی مزاج پرسی کی جس پر ثریا بولی "بیگم صاحبہ! کل شب آپ کا بڑا انتظار کیا، سب مہمان چشم براہ تھے حضور کے آنے سے ہماری عزت افزائی ہوتی لیکن ۱۱ بجے تک انتظار کے بعد ہم سب مایوس ہو گئے۔ اور میلاد شروع کر دی (رومال میں بندھی ہوئی شیرینی آگے بڑھاتے ہوئے) یہ تھوڑی سی مٹھائی بچوں کے لئے لائی ہوں۔ نصیب اعداء مزاج تو اچھا ہے؟" قبل اس کے کہ میں کچھ کہتی مس عظمت نہایت بھولے پن سے بولی۔ "کل تو آنٹی میری ممی کے ساتھ تاج ہوٹل میں ڈنر کھانے گئی تھیں"۔ ثریا کھسیانی ہو گئی۔ لیکن میری بڑائی کو اس سے کیا ٹھیس لگتی۔ میں نے حالات سے اثر لئے بغیر کہہ دیا "اے ثریا! مجھے بے حد افسوس ہے۔ میں تمہاری دعوت کو بالکل بھول گئی"۔ ثریا نے بس اتنا کہا کہ یہ میری بدقسمتی تھی اور سلام کر کے چلی گئی۔

شیلا نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ ساون بھادوں کی طرح برس پڑی "پھولوں کی سیجوں پر لیٹنے والے' دولت کے نشے میں چور، کھری کھاٹوں پر سونے والی مخلوق کو ذلیل سمجھتے ہیں۔ لیکن دولت اور غربت زندگی کے تفاوتات ہیں۔ بہتیرے ایسے لوگ دولت مند ہو جاتے ہیں جو اس منصب کے کسی طرح اہل نہیں ہوتے۔ ایسے ہی لوگ اپنے منہ میاں مٹھو بنا کرتے ہیں اور جا و بیجا اپنی بڑائی بگھارتے رہتے ہیں۔ ایسے گھرانوں کے بچے اخلاقی خرابیوں کی پوٹ ہوتے ہیں۔ فرعونیت کی فضا میں پروان چڑھ کر نہ تو وہ سماج کی نظر میں (باقی صفحہ ۳۲۰ پر)

میرا آٹوگراف البم

سی۔پی کے مشہور وکیل عبدالرحیم خاں صاحب فرماتے ہیں کہ :۔

(۱) خدا کا حق پہچانو۔ جو کہ خالق و رازق ہے اور اس کی ذات و صفات میں کسی کو شریک نہ کرو۔ کیونکہ یہ کفران نعمت ہے۔

(۲) عبودیت کی ذمہ داری کو سمجھو اور حق العباد کا احساس رکھو۔ اعزا کے ساتھ احسان و حسن سلوک کا برتاؤ کرو اور یتامیٰ و مساکین کی فکر رکھو۔

(۳) اخیار صالحین اور ذی علم حضرات کی صحبت اختیار کرو تاکہ ان سے اخلاق حمیدہ کا اکتساب ہو۔ جاہل کی صحبت سے اجتناب کرو۔ جو تاریکی کی طرف لے جانے والی ہے۔

(۴) غماز (چغل خور) اور بخیل کی صحبت سے دور رہو کیونکہ غماز حق و صداقت کو دور اور جھوٹ کو قریب کرتا ہے۔ اور بخیل سے سلوک و احسان بعید ہے، بلکہ وہ تمہارے اموال پر نیت رکھتا ہے۔

(عبدالرحیم خاں صاحب ایڈوکیٹ ہائی کورٹ سیونی۔ بالاگھاٹ)

میاں احفاظ الرحیم خاں سلمہ سیونی کے نامور قومی کارکن اور ادیب ہیں۔ آپ کا ارشاد پڑھئے گا۔

(۱) خذ ما صفا و دع ما کدر (حدیث) اچھی بات اختیار کرو۔ اور بری چیز کو ترک کر دو۔

(۲) ہمیشہ پیش نظر رکھو کہ السعی منی والاتمام من اللہ کوشش اپنی طرف سے اور تکمیل کرنے والا خدا ہے۔

(۳) جو دوسروں کے عیب تم سے بیان کرتا ہے وہ تمہارے عیب بھی دوسروں سے بیان کرے گا۔ ایسے شخص کی صحبت سے پرہیز کرنا چاہئے۔

(۴) دنیا میں کسی کو اپنا دوست تصور نہ کرو۔

(۵) اسلاف اخیار و صالح کی مانند ہے اپنے آپ کو بناؤ

(۶) کسی پر نکتہ چینی سے پہلے اپنے معائب کا جائزہ لے لو۔ احفاظ الرحیم خاں (۳۱۔ اگست ۱۹۴۵ء)

ناگپور میں اسٹوڈینٹ کانفرنس کی شرکت کی غرض سے ۲۲۔ جنوری ۱۹۴۱ء کو ہم گئی تھیں۔ یہ اجلاس قائداعظم مسٹر محمد علی جناح کی صدارت میں ہوا تھا۔ حسب ذیل بیگمات بھی تشریف لائی تھیں جنہوں نے تحریر فرمایا۔

کبھی بھول کر نہ کرو کسی سے سلوک ایسا
کہ جو تم سے کوئی کرتا تمہیں ناگوار ہوتا

ہمشیرہ حبیب اللہ۔ ایم۔ ایل۔ اے لکھنؤ

شمس و قمر ہیں دم بخود سوچ میں ہیں ملائکہ
اشک میرے پہنچ گئے بارگہ نجات میں

بیگم وسیم۔ ممبر خواتین سب کمیٹی آل انڈیا مسلم لیگ

اپریل ۱۹۴۲ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس الہ آباد۔ یو۔پی میں منعقد ہوا تھا۔ میں بھی ورکنگ کمیٹی کی شرکت کی غرض سے گئی تھی۔ اس اجلاس کے موقعہ پر حسب ذیل بیگمات و حضرات نے میرے آٹوگراف پر تحریر فرمایا۔

خذ ما صفا و دع ما کدر (خادم قرآن زکیہ سلطانہ نئی دہلی)

پنجاب کی مشہور مضمون نگار خاتون محترمہ سلمیٰ تصدق حسین تحریر فرماتی ہیں ۔" وہ بہنیں جو اتفاق اور خلوص سے کام کرنا نہیں جانتیں۔ اپنی ملی ہوئی عزت اور حاصل کردہ شہرت کو کھو بیٹھتی ہیں۔

مسز عزیز یعنی حضرت علامہ مشرقی کی ہمشیرہ صاحبہ کا خیال ہے ۔" فرائض کے جاننے کی کوشش کرو ۔ اور سب سے پہلے فرائض کی ادائیگی کا خیال رکھو ۔ اس کے بعد جہاں تمہارا جی چاہے جاؤ ۔ جو چاہو کرو ۔ اگر تم اس میں کامیاب ہو گئے تو فلاح دارین تمہارے سلئے ہے ۔

حزب اللہ منصورؔ (خدا کی جماعت کامیاب ہے)
محمد رشید الدین ۔

اس زمانے میں کمزور افراد اور کمزور اقوام کو جینے کا حق نہیں ۔ اس لئے ضروری ہے کہ اپنے آپ کو طاقتور بنائیں ۔ محمود شریف ایڈوکیٹ بنگلور

کیا ہوا پھولوں کو جو بخشی بہار رنگ و بو
بات تو جب ہے کہ کانٹوں کو گلستاں کیجئے
(نکہتؔ سلطان پوری)

تصوّر میں تیرے نگہ جو اٹھا دی
فضا بول اٹھی کہکشاں مسکرا دی
مجروح سلطان پوری ۱۶ راپریل ۱۹۴۲ء

ہندوستان کے مایۂ صد افتخار شاعر جناب حسرت موہانی لکھتے ہیں ۔
عشق میں تو ہے کبریائی کی
عاشقی جس نے کی خدائی کی

شاعری تمہیں اپنے دینی فرائض سے غافل نہ کر دے اور ہر وادی میں پریشان پھرتی رہو ۔ (اختر حسین معتمد انجمن نسیں)

نادر جہاں بیگم طاہرہ

ہم بڑے آدمی ہیں (بقیہ صفحہ ۳۱۸ کالم ۲)

(بقیہ صفحہ ۳۱۸ کالم ۲)

عزت پاتے ہیں اور نہ وہ کسی سوسائٹی کو اپنے لائق سمجھتے ہیں ۔ خوشامدیوں کا منحوس طبقہ انھیں خود فریبی کے اور بھی مضبوط جال میں جکڑ دیتا ہے ۔"

شیلا کی زبان چل رہی تھی اور میرا اور لیڈی عظمت کے غیض و غضب کا پارہ چڑھ رہا تھا ۔ " نہایت گستاخ لڑکی معلوم ہوتی ہے ۔" لیڈی صاحبہ نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا ۔ " آپ شیلا کی باتوں کا برا نہ مانئے ۔ کالج میں پڑھ کر اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے ۔" میں نے معذرت کے لہجہ میں جواب دیا ۔

" دماغ میرا خراب ہے یا آپ لوگوں کا ؟ جنم نہ دیکھا بوریا سپنے آئی کھاٹ !" شیلا نے غصہ کے لہجہ میں تیز آواز سے کہا ۔ اپنی معزز مہمان کی توہین اور اپنی شان میں گستاخی کی میں تاب نہ لا سکی ۔ چاہا کہ شیلا کو کھڑے کھڑے گھر سے باہر نکال دوں ۔ لیکن شیلا میرے بچپن کی دوست ہے ! اس خیال نے مجھے چونکا دیا ۔ گھبرا کر آنکھ کھول دی ۔ آنکھ ملتے ہوئے ادھر ادھر نظر ڈالی ۔ شیلا موجود نہ تھی ۔ میری جان میں جان آئی ۔ انگڑائی کے ساتھ یہ مصرعہ میری زبان پر تھا ۔

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

شیلا سے جب میں یہ خواب بیان کرتی ہوں ہنسی کے مارے لوٹ لوٹ جاتی ہوں ۔

صفیہ نقوی بمبئی

کسی ماہ کا پرچہ ڈاک خانہ کی غلطی یا آپ کے ملازموں کی غفلت سے آپ کو نہ ملے تو خریداری نمبر کے حوالہ سے دفتر کو فوراً اطلاع دیجئے ورنہ پھر کسی قیمت پر نہ مل سکے گا ۔ منیجر

خانہ داری

(جس میں سنگھار و آرائش بھی شامل ہے)

بچّوں کی پرورش۔ زمانہ بدل گیا ہے اور ہر زمانہ میں ہدایات اور ضروریات میں حسب موقع تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں کتابوں اور بزرگوں کی مقررہ ہدایات پر اب آدمی جم کے عمل کرتے ہوئے مفید نہیں پاتا۔ نیویارک امریکہ میں تربیت نسواں کا ایک مرکز ہے۔ وہاں حاملہ عورتوں اور بچّوں کی دیکھ بھال کا عملی سبق دیا جاتا ہے۔ پہلے بچّہ ہونے سے قبل لڑکیاں گھبراہٹ میں زندگی گذارا کرتی ہیں۔ اس کلب میں کئی بچّوں کی مائیں بھی شریک ہوتی اور نوجوان شادی شدہ لڑکیوں کی تسلّی کا باعث ہوتی ہیں ایک ربڑ کی بڑی گڑیا وہاں رکھی ہے اس پر بچّہ کے غسل کا عملی تجربہ کرایا جاتا ہے۔ پہلے سے صابن تولیہ کرتہ یا قمیص جانگیہ وغیرہ تیار رکھا جاتا ہے۔ غسل شروع کرنے سے پہلے پانی کو جانچنے کی ہدایت کی جاتی ہے کہ اپنی کہنی پر ڈال کر دیکھ لو کہ صرف اتنا نیم گرم ہو کہ بچّہ برداشت کرے۔ کپڑوں میں بٹن اور ہک ہونے چاہئیں۔ تاکہ بچّوں کے بدن میں نہ چبھیں۔ جب تک پانی گرم ہو بچّہ کو سردی اور گرمی دونوں میں ہوا کے جھونکوں سے بچایا جائے۔ دودھ دانی استعمال کی جائے۔ تو بعد استعمال اُسے بالکل صاف کیا جائے۔ نپل اور دودھی کو برتن میں ٹھنڈے پانی میں ڈال کے چولھے پر رکھ دیں اور اُبال لیں۔ پھر انہیں صاف کرکے کسی بڑے برتن میں بند کرکے رکھ دیں۔ گرمیوں میں بچّہ کو ہلکا پھلکا لباس پہنائیں۔ باہر لے جائیں تو سر پر رومال باندھ دیں۔ باہر لائیں تو روشنی کی چمک سے اُس کی آنکھوں کو بچائیں۔ اُبلا ہوا اور چھنا ہوا ٹھنڈا پانی پلائیں۔ ذرا سی تکلیف ہو ڈاکٹر سے مشورہ کریں۔ بچّے تو پھول ہوتے ہیں۔ اُنہیں بڑی احتیاط سے پالنے کی ضرورت ہے۔

ناک کی اتالیقی ہر جگہ ناک کا رنگ جما ہوا ہے۔ ناک نہیں کچھ نہیں۔ ناک بڑی ہے تو نکّو کہلاتے ہیں۔ ناک زندگی میں ہر وقت ہمارے ساتھ ہے۔ کسی کی ناک بڑی ہے کسی کی چھوٹی۔ چمکدار ہے یا سُرخ رہتی ہے۔ ناک کا خیال ہر وقت ہمیں پریشان کرتا ہے۔ اگر ناک خراب ہو تو ہزار سنگھار کرو چہرہ پر حسن نہیں برستا۔ ناک لال ہو اور اس کے مسام کھلے نظر آتے ہوں حسین نظر آنا بہت مشکل کام ہو جاتا ہے۔ مگر پریشان ہونے کی بات نہیں۔ ناک کی اتالیقی کی جائے تو اس کے نقائص دور ہو جاتے ہیں۔ ورنہ دب ضرور جاتے ہیں۔ کوئی نہ کوئی درستی کا طریقہ موجود ہے۔ اگر آپ کی ناک سُرخ رہتی ہے تو غذا کی طرف توجہ کیجئے۔ چٹنیاں اور مصالحہ دار کھانے، اچار اور ذائقہ دار اجزاء ترک کر دیجئے۔ مچھلی، مرغی کا گوشت اور سبز ترکاریاں زیادہ استعمال کیجئے۔ صبح اور رات کو نیم گرم پانی کا ایک گلاس پی لیا کیجئے۔ اس تدبیر میں دیر لگتی ہے۔ اگر آپ کو کسی تقریب میں شرکت کرنا ہے اور آپ چاہتی ہیں کہ آپ اچھی نظر آئیں تو آپ اپنی ناک کی سُرخی بنزین کے استعمال سے عارضی طور سے دور کر سکتی ہیں۔ کپڑے کی دھجّی بنزین میں ڈبوئے ناک پر دو تین منٹ تک دبایئے سُرخی غائب ہو جائے گی۔ اور چند ساعت گھنٹہ تک آپ کو اس سے نجات رہے گی۔ بنزین کا مختلف اشخاص پر مختلف اثر ہوتا ہے اس لئے اپنے متعلق تجربہ کرکے اندازہ کر لیجئے کہ کتنی دیر تک اور کتنے دباؤ سے آپ لگانا مناسب سمجھتی ہیں۔ اچھے بچّے ناک پر اس کا استعمال نہ کریں ورنہ جلد ضرورت سے زیادہ پیلی پڑ جائے گی۔

اگر ناک بہت سُرخ رہتی ہے اور سُرخی گالوں کی طرف پھیلتی جا رہی ہے تو آپ کو تجربہ ہو گا کہ غذا کا کسی قسم کا تغیر و تبدل اس کا علاج نہیں ہو سکتا۔ اس کیفیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ غالباً خشکی کے ذرّے اس کا باعث ہیں۔ آپ کو تعجب ہو گا کہ ناک کی سُرخی کا سر کی خشکی سے کیا واسطہ۔ بات یہ ہے کہ آپ کی ناک بہت سُرخ ہے۔ مسام کھلے ہوئے ہیں۔ اور گرتی ہوئی خشکی کے جراثیم ان میں رک کے بیٹھ جاتے ہیں۔ اور مستقل زیادہ سُرخی کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ اس لئے پہلے آپ اس کی خشکی کا علاج کیجئے۔ چند بار جراثیم کش لوشن ہفتہ میں دو مرتبہ ملا کریں اور ساتھ ہی ساتھ غذا کا بھی خیال رکھیں۔

چمک اور ناک ناک کی چمک دمک پر ہر ایک کی نظر پڑتی ہے اور اس کا آپ کے دل پر بجلی کا سا اثر پڑتا ہے۔ مندرجہ ذیل لوشن بنا لیجئے۔ منہ دھونے کے بعد اور پوڈر لگانے سے قبل تھوڑا سا گدّی کے ذریعہ لگائیں:۔

زنک اوکسائڈ ۴ ڈرام۔ کارمائن (Carmine) ۲ گرین۔

گلیسرین ۵ ڈرام۔ کیلے مائن (Calamine) تین ڈرام۔

ایلڈر فلاور واٹر (Elder flower Water) تین اونس!

اس لوشن سے چمک دیک گھنٹوں تک کے لئے رُکی رہے گی۔

ناک پر پسینہ آتا رہتا ہو یا چکنی رہتی ہو تو اس کا باعث کیل مہاسے اور کھلے مسام ہیں۔ اور یہ شکایت اچھی سخت اور زبردست تدبیر سے جاتی رہتی ہے۔ اچھا سا صابن لیجئے کسی دانت کے نرم برش سے ناک پر اُس کے جھاگ اُٹھائیں رگڑیں اور ملیں۔ پھر ٹھنڈے پانی سے دھاریں۔ اور بعد میں جلد تاننے والا لوشن (Astringent lotion) گدّی سے لگائیں۔ اس زوردار تدبیر سے خون سطح کی جانب دوڑ پڑے گا۔ اور سب گندگیوں کو بہالے جائے گا۔

پسینے کے غدودوں کے زیادہ کام کرنے سے ناک قطرہ دار رہنے لگتا ہے۔ اور اس کی وجہ سے چکنائی پوڈر میں سرا کر جاتی ہے۔ اور دھبے دھبے نظر آنے لگتے ہیں۔ اگر پوڈر لگانے سے قبل کوئی اچھا سا جلد تان دینے والا لوشن تھپک کے لگایا جائے اور ہر رات کو دن کا سنگھار ہٹاتے وقت ٹھنڈے پانی کے چھپکے لگائے جاتے رہیں۔ اصلاح اور ترقی بہت جلد نظر آنے لگے گی۔

اگر آپ مندرجہ ذیل لوشن تیار کر کے ٹھنڈے پانی کے چھپکوں کے بعد گدّی سے لگائیں تو جلد فائدہ معلوم ہوگا:-
لیموں کا رس ایک چمچہ۔ وِچ ہیزل ایک چمچہ۔ روز واٹر تین چمچے۔ ٹنکچر آف بنزین ۱۰ قطرے۔

اگر آپ کا ناک اس لئے چمکتا ہے کہ بہت خشک ہے تو جلد کو غذا کی ضرورت ہے۔ اس کے لئے لیموں کے رس کے چند قطرے میں روغن زیتون اور بادام روغن ہموزن ملائیں۔ اور جلد صاف کرنے کے بعد اس میں تھپکی سے خوب لگائیں۔

دیگر ناکیں

ناک بڑی ہو تو صرف ناک پر میلی قسم کا پوڈر یعنی گہرا پوڈر لگائیں۔ اور باقی چہرہ پر ہلکے رنگ کا پوڈر چھڑکیں۔ ابروؤں کو خوب سنوارے رکھیں کیونکہ آپ کا مقصد یہ ہونا چاہیئے کہ جہاں تک ممکن ہو توجہ ناک کی طرف ہٹائی جائے۔ سر سنگار رکھنے سے ناک زیادہ نمایاں رہتا ہے۔ دوپٹہ کے آنچل کو ذرا آگے رکھیں۔ اگر آپ کے پاس چہرہ پتلا کرنے والا رُول ہو اور ناک محض چربی کی وجہ سے بڑا معلوم ہوتا ہے اور ہڈی کی بناوٹ اُس کا باعث نہیں۔ آپ کو رُول کے ذریعہ اسے کم کرنے کی محنت کرنی پڑے گی۔ بال نفاست کے ساتھ چہرہ کی طرف ذرا آگے بڑھائیں۔

باریک دھبے دار ناک بعض اوقات بہت بھدّا معلوم ہوا کرتا ہے۔ لیکن اگر آپ کے چہرہ پر بجائے اچھا نظر آنے کے بدنمائی پیدا کرتا ہو تو ہے پر اوکسائڈ آف ہیڈ روجن کو اکثر گدّی سے لگاتے رہنے سے جلد سفید ہو جاتی ہے۔ اور پیلے دھبے دُور ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد اس کی خشکی کی اصلاح کے لئے ذرا سی کولڈ کریم لگا لیا کریں۔

ناک ٹیڑھی ہو تو رات کو مخصوص ناک سنوارنے والے (Patent nose Sheper) باندھیں۔ ناک سیدھ میں آجائے گی۔ یہ ناک سنوارنے کے بازار میں دستیاب ہوتے ہیں۔ آپ کی ناک کیسی ہی ہو مندرجہ بالا تدابیر میں سے کوئی ایک آپ کی پریشانی دور کر دے گی۔

مکھیوں کا علاج

گرمیاں آگئی ہیں اور مکھیاں گروہ در گروہ حملہ کر رہی ہیں گھر والوں کو یہ ایک جانکاہ آفت بن جاتی ہیں۔ سب سے بڑی تدبیر یہ ہے کہ ہر اُس بات سے پرہیز کیا جائے جس سے مکھیاں کھنچ کے اُس طرف آتی ہوں۔ جہاں تک ممکن ہو کھانے ڈھک کے رکھیں اور جھوٹی اور خراب رکابیاں اور برتن مانجھے جانے کے وقت تک پانی میں ڈبوئے رکھے جائیں۔ کوڑے کرکٹ کے مقام پر فارمالن (formalin) چھڑک دیا کریں۔

ان تدابیر کے باوجود آپ دیکھیں گی کہ مکھیاں پھر بھی گھر میں درانہ چلی آتی ہیں۔ اگر آپ کو معلوم ہو سکے کہ فلاں چیز اُن کی توجہ کا مرکز ہے تو کھلی ہوئی کشمش میں ارنڈی کا تیل ملائیں یہ مرکب گرم کرنے سے چپچپا ہو جاتا ہے۔ اور اسے اُس چیز پر لگا دیں۔ ورنہ کاغذ پر پھیلا کے رکھ دیں اور مکھیاں کھینچنے والی چیز ذرا ذرا اس پر رکھ دیں۔

آپ کسی دواساز سے فورمالن بنوالیں۔ اس کے ایک چمچہ میں دو چمچے بُورا یا چینی ملائیں۔ اور تھوڑا سا چونے کا پانی بھی زائد کریں۔ کسی گہری رکابی میں ڈالدیں اور جاذب کا ٹکڑا اُس پر تیرا دیں مکھیاں آکے فوراً مرنے لگیں گی۔ اور آپ داد دیں گی۔ روغن والی اشیاء پر کسی جراثیم کش دوا کا ہلکا محلول مثلاً سینی ٹاس (Sanitas) پھیر دیں دیر تک مکھیاں اُس تک نہ پھٹکیں گی۔

خانگی ٹوٹکے

جس الماری یا مقام پر جیلی جام مربّہ یا اچار رکھیں وہاں قریب ہی چونہ بھرا ہوا برتن رکھ دیں۔ پھپھوندی نہ آنے پائے گی۔

پانی میں تھوڑا سا تارپین ملائیں اُس میں جھاڑو ڈبو ڈبو کے ایسی دری یا کمبل پر پھیریں جس کا رنگ اُڑ گیا ہو۔ دوبارہ آب آجائے گی۔

محمد ظفر

سیر بین

چندر گپت موریہ - سوا بائیس سو برس کے قریب ہوئے کہ ہندوستان میں پہلی مرتبہ چندر گپت موریہ نے بیرونی حملہ آوروں کا کھٹکا دور کر کے ہندوستان میں آزاد و خود مختار حکومت کی بنیاد ڈالی۔ اسی خاندان میں اشوک ہوا۔ جس کے کارناموں پر ہندوؤں کو ناز ہے۔ چندر گپت سکندر کے حملہ کے زمانہ میں اس کی طاقت کے سامنے اپنے برہمن دوست کوتلیا کے ساتھ بھاگا اور چھپ گیا۔ سکندر ہندوستان میں فتوحات حاصل کرتا ہوا جب گنگا کے میدانوں پر چڑھائی کرنے کے ارادہ سے بڑھا تو اُسے بتایا گیا کہ اُسے گیارہ دن تک سخت مشقت کے ساتھ ایک بیابان میں سے کوچ کرتے رہنا ہوگا۔ اس کے بعد اُسے مگدھ کے راجہ سے مقابلہ کرنا ہوگا۔ جو نندا خاندان سے ہے۔ فوج آگے نہیں بڑھی۔ اور سکندر واپس ہوا۔ چندر گپت مگدھ کا سپہ سالار تھا۔ وہاں کے نئے راجہ کی بے رحمیوں اور محسن کشیوں سے اُسے بھاگنا پڑا۔ سکندر کی موت کی خبر سنتے ہی وہ میدان میں آیا۔ آس پاس کے راجاؤں کو بلا کے ایک متحد سلطنت قائم کر کے دوسروں کو یکے بعد دیگرے زیر کرتا ہوا جنوبی ہند میں دریائے نربدا تک اور شمال میں افغانستان بلوچستان تک قابض ہو گیا۔ نندا خاندان کے راجہ کو بھی مغلوب کیا۔ اُس کے دماغ میں جو ایک زبردست آزاد ہندوستانی حکومت کے قائم کرنے کا خیال جما ہوا تھا اب پورا ہو گیا۔ ساری عمر اُس کا چالاک دوست کوتلیا اُس کا مشیر رہا۔ سکندر کے بعد اُس کا سپہ سالار سلوکس ہندوستان کے یونانی علاقہ کو دوبارہ فتح کرنے کے ارادہ سے ہندوستان پر حملہ آور ہوا۔ اور فتح پر فتح حاصل کرتا ہوا دریائے سندھ تک آ گیا۔ یہاں چندر گپت مقابلہ کے لئے تیار رہا۔ جنگ ہوئی اور سلوکس کو شکست ہوئی۔ صلح پر اُسے سارا افغانستان اور بلوچستان دینا پڑا۔ اور اپنی بیٹی چندر گپت کے عقد میں اُس نے دی۔ راجہ نے صرف پانچ سو ہاتھی تحفہ کے طور پر اُسے دئے۔ راجہ نے ۲۴ سال تک ملک پر حکومت کی۔ ۵۰ سال کی عمر میں ۱۱ سال کا قحط پڑنے پر اُس نے راج پاٹ چھوڑ کے جنوبی ہند میں سرسبز علاقوں کی تلاش میں ۱۲ ہزار جین سادھوؤں کے ایک گروہ کے ساتھ راہ لی۔ بارہ سال بعد اُس نے فاقہ کشی کر کے خودکشی کی۔

مانڈلے کا قلعہ مانڈلے چاروں طرف سے گھیر کے فتح کیا گیا ہے اور اب برطانوی فوجیں جنوب مشرق جنوب اور جنوب میں بڑھتی چلی جا رہی ہیں۔ شاہی قلعہ جس میں شاہ برما تھیبو حکومت کرتا تھا۔ اب ڈفرن فورٹ کے نام سے مشہور ہے۔ جو ڈیڑھ میل مربع میں شاہ موصوف کے ساتھ اُس کی ملکہ سپایالات اپنے حشم و خدم سمیت رہا کرتی تھی۔ چونکہ دربار کا رویہ انگریزوں کے خلاف ہوتا جاتا تھا اس لئے ۱۸۷۹ء میں حکومتِ انگلستان کی توجہ اس طرف منعطف ہوئی۔ چنانچہ انگریزی ریزیڈنٹ کو ۱۸۸۵ء میں واپس بُلا لیا گیا۔ اُس وقت معلوم ہوا کہ شاہِ برما نے فرانسیسیوں سے معاہدہ کر کے اپنے علاقہ میں اُنہیں خاص سفارتی اور تجارتی حقوق دے دئے ہیں جو انگریزی حقوق سے کہیں فائق ہیں۔ اُس وقت حکومتِ ہند کی باگ ڈور لارڈ ڈفرن کے ہاتھ میں تھی۔ اُس نے برطانیہ کو شاہِ برما کے خلاف اعلانِ جنگ کرنے سے روکا۔ لیکن شاہِ برما نے ایک برطانوی کمپنی پر اُس کے علاقہ میں تجارت کرنے کی پاداش میں تباہ کن جرمانہ کر دیا۔ اور حکومتِ ہند کے احتجاجات کی رتی بھر پروا نہ کی۔ اس پر حکومتِ ہند نے شاہ کو الٹی میٹم دیا کہ شاہ برطانوی سفارت کو اپنے ہاں آنے اور معاملات کو رو براہ لانے کا موقع دے۔ اور برطانوی ریزیڈنٹ وہاں مستقل طور پر رکھنا گوارا کرے۔ شاہ نے مطالبات ماننے سے انکار کر دیا۔ رنگون سے ۱۲ ہزار انگریزی فوج چلی اور مانڈلے پر دس دن میں پہنچ کر بغیر طرفین کو کچھ زیادہ نقصانات پہنچے انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔ اور شاہِ برما قید کر لیا گیا۔ لارڈ ڈفرن ۱۸۸۶ء میں بذاتِ خود اپنے سپہ سالار اعظم لارڈ رابرٹس سمیت وہاں گیا۔ شمالی برما کو حکومتِ ہند میں شامل کر لیا۔ اور برما کی تنظیم کے لئے مجالس عاملہ مالیہ اور سیاسیہ قائم کیں۔ اُس وقت سے شاہِ برما کا محل کا علاقہ ڈفرن فورٹ کے نام سے مشہور ہو گیا۔ ملکہ معظمہ وکٹوریا نے لارڈ موصوف کو اس کارگزاری کے صلہ میں مارکوئس آف ڈفرن و آوا کا خطاب دیا۔ آوا سابق شاہانِ برما کا دارالسلطنت تھا۔ اور اس پر اب انگریزوں نے دوبارہ قبضہ کر لیا ہے۔

مریخ کا مشاہدہ زبردست جنگ نے بہت سے اہم کام روک دئے ہیں۔ چنانچہ مریخ کا مطالعہ بھی معرضِ التوا میں پڑ گیا ہے۔ سنہ ۱۹۳۹ء میں ۲۷ جولائی کو مریخ زمین سے تین کروڑ ۶۰ میل کے فاصلہ پر تھا۔ یہ پندرہ سال قبل کے مقابلہ میں زمین سے اُس کا قریب ترین فاصلہ تھا۔ اُس روز جنوبی افریقہ سے زبردست دوربینوں کی مدد سے اُس کی سطح کا بغور مطالعہ کیا گیا جس کا خلاصہ جنگ کی وجہ سے عام طور پر معلوم نہیں ہو سکا۔ مگر اتنا ضرور اطمینان ہو گیا

کہ وہاں نباتات ضرور موجود ہیں۔ اس وقت مریخ کے جنوب میں ڈھکی ہوئی برف موسم بہار کے آجانے سے پگھلی اور اُس کی جگہ سبزی اُگنی شروع ہوگئی۔ نباتات کا یہ سارا علاقہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے برابر ہے۔ اُس وقت سیارہ کا رنگ زرد تھا۔ اور ناموافق موسم کے باوجود مشاہدہ بہت کچھ صاف ہوا۔ یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہاں جو نہریں بنی ہوئی معلوم ہوتی ہیں وہ انسانی ہاتھوں کا کرشمہ ہے۔ البتہ وہاں کا آدمی زمین کے آدمی سے ضرور مختلف ہوگا۔ کیونکہ وہاں والوں کو صفر درجہ سے ۶۵ سے ۱۱۵ درجہ نیچے تک کی متغیر حرارت کا مقابلہ روزانہ کرنا ہوتا ہے۔ وہاں کا موسم سرما بارہ ماہ کا ہے اور زمین سے زیادہ سرد ہے۔ وہاں کا میدان چپٹا ریگستان ہے۔ اور سبزی اُسی وقت نمودار ہوتی ہے، جب برف پگھلتی ہے۔ وہاں کی ہوا میں زمین کے مقابلہ میں صرف ۵ فیصدی نمی اور ۵ فیصدی آکسیجن ہے۔ زمین کا آدمی ایسی فضا میں زندہ رہ ہی نہیں سکتا۔ کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ لاکھوں برس گزر جانے کے دوران میں قضا و قدر نے وہاں جاندار کو کسی نہ کسی شکل میں پیدا نہ کر دیا ہو۔

سمندر کی تہ کا سفر

بلجیم کے پروفیسر ڈاکٹر پکرڈ نے ۱۹۲۹ء میں کرہ ہوا سے ۱۴ میل اوپر اڑان کی تھی۔ اس کے لئے اُس نے نئی طرح کا غبارہ بنایا تھا۔ ۱۹۲۹ء میں اُس نے ایک فولادی غبارہ سمندر کے اندر پانچ سات میل نیچے اُترنے اور وہاں کے حالات کا مشاہدہ کرنے کے لئے تیار کرنا تھا۔ جنگ نے اس پر پردہ ڈال رکھا ہے۔ آیا وہ سفر کر سکا یا نہیں۔ اور اگر کر سکا تو کیا نتائج برآمد ہوئے۔ پروفیسر کا خیال ہے کہ اندر سخت اندھیرے میں یا تو دیو ہیکل عجیب الخلقت جاندار بستے ہیں۔ یا وہاں سونا ہی سونا بھرا ہوا ہے۔ اُس نے دو قسم کے خول اس غبارہ میں رکھے ہیں۔ ایک پانچ میل نیچے کا سخت دباؤ برداشت کر سکے گا۔ اور دوسرا سات میل نیچے کا دباؤ۔ اُترنے کی رفتار کو وہ ٹنکوں کے ذریعہ غبارہ کے اندر پانی کے خانوں میں پانی بھرنے اور نکالنے سے قابو میں رکھ سکتا ہے۔ خول پر لوہے کے بھاری کنکر بجلی کی مقناطیسی قوت سے چپکائے گئے ہیں۔ اگر کہیں جھاڑ جھنکار میں غبارہ پھنس جائے تو بجلی کے ذریعہ کچھ کنکر گرائے جا سکتے ہیں۔ تاکہ اس جھاڑ میں سے آسانی سے غبارہ اُٹھ سکے۔ غبارہ کے اندر ہوا کو صاف کرنے کے لئے آلے ہیں۔ خالص ہوا کے چشمے محفوظ رکھے گئے ہیں۔ غبارہ کے پہلوؤں میں بڑے بڑے سوراخ جن میں موٹے موٹے شیشے جڑے ہوئے ہیں رکھے گئے ہیں۔ تاکہ ان میں سے سمندر کے اندرونی علاقہ کا مشاہدہ کیا جا سکے اور جہاں ضرورت ہو تصویریں لی جا سکیں۔

ہند و چین

چین کو زمانۂ قدیم سے ہندوستان سے عقیدت رہی ہے۔ کیونکہ یہاں کا بُدھ مذہب نمودار ہوا اور پھیلتا ہوا چین و جاپان میں جا پہنچا۔ چین کو بڑی عظمت حاصل تھی۔ تبت و لنکا تک اس کے زیر نگین تھے۔ برما و نیپال بھی اس کے ماتحت تھے۔ ترکستان۔ کافرستان اور کشمیر اس کے مقبوضات تھے۔ چین سے ہندوستان اور یہاں سے وہاں سیاح آتے جاتے رہتے تھے۔ تاریخوں سے ہنگ سی ین اور ہیون سانگ ۵۶۴ء اور ۶۴۶ء میں ہندوستان میں آکے رہے تھے۔ ان کے سفرناموں سے یہاں کے عجیب عجیب حالات معلوم ہوتے ہیں۔ عربوں نے ہندوستان پر قبضہ کرنے کے بعد کشمیر کو چینیوں سے حاصل کر لیا۔ اور پھر جب تک مسلمان ہندوستان کے بادشاہ رہے چین کو کشمیر کا قبضہ نصیب نہ ہوا۔ محمد تغلق نے ایک مہم چین کی فتح کے لئے بھیجی مگر وہ ہمالیہ کے دروں کے پار کرنے میں ہی تباہ ہوگئی۔ اور صرف دس آدمی واپس آسکے جن کے ساتھ محمد تغلق نے بڑی بے رحمی کا سلوک کیا۔ آخری صدی میں ولندیزی اور روسی سفارتیں چین میں بھیجیں اس کے بعد انگریزوں کا تعلق ہوا۔ اس زمانہ میں چین میں افیم کی تجارت کو بڑا فروغ ہوا۔ چین والوں نے اس قاتل بلا سے بچنا چاہا مگر ۱۸۴۲ء میں انگریزوں نے کانٹن پر چڑھائی کر کے چین کو اس کے قبول کرنے پر مجبور کر دیا۔ لارڈ منٹو (۱۹۰۵ء سے ۱۹۱۰ء تک) نے اس تجارت کو بند کر دیا۔ جب سے چین کے انگریزوں سے تعلقات خوشگوار ہوگئے ہیں۔

پھلجھڑیاں

مصر کے مقبروں کی کھدائی کے دوران میں ایک قدیم جھیل کی تہ میں سے پانچ سال پہلے کچھ بیج برآمد ہوئے اُن کی جانچ پڑتال کے بعد انہیں بو دیا گیا۔ تعجب ہے وہ پھوٹ نکلے۔ اور پودے بن کے اُن میں سے بہت خوبصورت پھول آئے۔

مارچ کی مرکزی اسمبلی میں حکومت کی طرف سے بتایا گیا کہ ایک روپیہ کے نوٹ کے کاغذ اور طباعت پر ۱/۲ پائی خرچ آتا ہے اور ایک روپیہ کے سکہ کی اوسط عمر ۵۰ سال ہے۔

ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں تین کروڑ شادی شدہ مرد و عورت ہیں ان میں سے تقریباً دو لاکھ ہر سال طلاق لے لیتے ہیں۔ اور باقی گو ساتھ رہ کر زندگی گذارتے ہیں مگر بے لطف زندگی بسر کرتے ہیں۔ ایک محقق نے بتایا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ میاں بیوی کوشش نہیں کرتے ہر ایک لینے کی فکر میں رہتا ہے۔ دینے کا خیال نہیں ہوتا۔ یعنی رواداری طبیعت میں پیدا کرنی چاہیئے۔ شادی سے پہلے تو ایک دوسرے کو خوش کرنے کی کوشش بھی کی جاتی تھی۔ بعد میں دفع الوقتی ہوتی ہے۔

مرکزی محافظ خانہ کی از سر نو تنظیم کے لئے سات لاکھ روپیہ کی سفارش کی گئی ہے۔ جن الماریوں میں کاغذات اور مسل رکھی جاتی

سیدہ کی بیٹی رضہ

تیسرا اڈیشن

حضرت زینب کبریٰ کی مفصل مکمل اور جامع سوانحعمری جو رازق الخیری صاحب کی کئی سال کی تحقیق و تلاش اور محنت و جانفشانی کا نتیجہ ہے۔ یہ حالات زندگی رسول اکرمؐ کی اس لاڈلی کے ہیں جس نے اسلام کے استحکام کے لئے حسین جیسے پیارے بھائی پر جگر کے ٹکڑے قربان کرنے کے بعد ایسی ایسی تکلیفیں اٹھائیں کہ ان واقعات کے خیال سے قلب انسانی تھرّا جاتا اور کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ بزرگوں کا خون، تربیت، ماحول اور صحبت کا انسان کی طبیعت پر کس قدر گہرا اثر پڑتا ہے۔ سیدہؓ کی بیٹی بتائے گی کہ اسلام کسے کہتے ہیں؟ انسانیت کیا چیز ہے؟ دنیاوی تعلقات کا مطلب کیا ہے؟ شوہر کی رضامندی بچوں کی تربیت اور بہن بھائیوں کی محبت کیا معنی رکھتی ہے؟ اسلامی تاریخ سے واقفیت ہونے کے علاوہ اس کتاب سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ واقعۂ کربلا کے حقیقی اسباب کیا تھے اور کربلا کے بعد کیا ہوا؟ کربلا کا حال اس قدر درد انگیز ہے کہ ہچکی بندھ جاتی ہے۔ کوفہ اور دمشق میں حضرت زینب کبریٰ کی تقریریں اور مکالمے، سفر شام اور مدینہ کی واپسی سے وفات تک کے حالات کے بعد سیدۃ النساء کی بیٹی کی انسانی اور اسلامی خوبیوں اور مختلف نسوانی حیثیتوں پر بحث ہے۔ کتاب شروع سے آخر تک درد و اثر میں ڈوبی ہوئی ہے۔ دو اڈیشن چند ماہ میں ہاتھوں ہاتھ نکل گئے۔ اب تیسرا اڈیشن چھپ کر تیار ہے قیمت دو روپیہ (۲) آرٹ کاغذ کی تین روپیہ۔

اخبار دین دنیا لکھتا ہے

"مولانا رازق الخیری کا اردو زبان پر احسان عظیم ہے کہ انہوں نے "سیدہ کی بیٹی" کے نام سے حضرت زینب کی سوانح حیات کو اردو زبان میں پیش کر کے اردو لٹریچر میں ایک ایسا نایاب اضافہ کیا ہے جسے اردو طبقہ کسی طرح نظر انداز نہیں کر سکتا۔

مولانا رازق الخیری نے سیدہ کی بیٹی جیسی قابل قدر تصنیف کے ذریعہ ایک بہت بڑی علمی خدمت انجام دی ہے۔"

رسالہ آجکل

(۱۵ مئی ۱۹۴۵ء) میں مشہور جرنلسٹ قاری عباس حسین صاحب کی تنقید کتاب "سیدہ کی بیٹی" پر ۵ کالم کی شائع ہوئی ہے جس میں صاحب موصوف لکھتے ہیں:-

"مسٹر رازق الخیری نے سیدہ کی بیٹی لکھ کر اردو لٹریچر کی اور تاریخ کی ایک بڑی کمی کو پورا کر دیا۔ نہ صرف ایک نہایت دشوار کام کو نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیا بلکہ سب سے بڑا کمال یہ کیا کہ مختلف فیہ روایات کو نہایت خوبصورتی سے سمو کر کتاب کو شیعہ سنی کے قضیہ سے بلند کر دیا۔ مصنف کے طرز تحریر نے تاریخ کے خشک بیان میں نہایت دلچسپی پیدا کر دی ہے۔ سیدہ کی بیٹی میں آنحضرت صلعم کی وفات سے واقعۂ حرّہ تک پچاس سال کی اسلامی تاریخ کے قریباً سب ہی مشہور واقعات آ گئے ہیں لیکن اختصار کے باوجود انداز بیان نہایت سلجھا ہوا اور دلچسپ ہے اور کسی موقع پر بھی طبیعت نہیں اکتاتی اور پڑھنے والا اس کتاب سے پورا پورا سبق حاصل کر سکتا ہے۔ ہر باب میں فطرت انسانی کو پیش نظر رکھا ہے اور استدلال اور نتائج بھی فطرت انسانی پر مبنی ہیں۔ کوئی فقرہ ارادت مندی اور عقیدت کا نہیں آنے دیا۔ کچھ اس انداز سے واقعات قلمبند کئے ہیں کہ الفاظ پڑھنے والے کے قلب پر تیر و نشتر کا کام کرتے ہیں۔ کتاب کی ترتیب بہت خوب ہے، تاریخی واقعات کے لحاظ سے بھی ممتاز ہے اور ادبی لحاظ سے بھی اس کا پایہ بہت بلند ہے۔"

رسالہ ادیب کی رائے

"مولانا رازق الخیری نے یہ کتاب لکھ کر ادب و تاریخ کی ایک اہم ضرورت پوری کی ہے۔ کتاب میں کہیں بھی پڑھنے والوں کے مذہبی جذبات سے کھیلنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ بلکہ حالات کا جائزہ سو فیصدی تاریخی اعتبار سے لیا گیا ہے اور ان پر نفسیات کی روشنی میں بحث کی گئی ہے۔ کتاب کا اسلوب بیان سادہ اور دلنشین ہے۔ سوانح عمری جیسے خشک موضوع کے باوجود اس میں شروع سے آخر تک ناول کی سی دلچسپی پائی جاتی ہے۔"

انگریزی روزنامہ بمبئی کرانیکل

لکھتا ہے "اس کتاب میں حضرت زینب کی زندگی ہی کے حالات نہیں بلکہ اس میں فرائض اسلامی اور اسلام میں عورت کے رتبہ پر اور بچوں کی تربیت اور دیگر مسائل پر آپ کے خیالات بھی بیان کئے گئے ہیں۔ واقعات کربلا جس انداز میں لکھے ہیں انہیں پڑھ کر کوئی بغیر اثر لئے نہیں رہ سکتا۔ کتاب کا طرز بیان مؤثر ہے جس میں تصنع نام کو نہیں۔ کتاب خالص ہندوستانی مسلمانوں کے نقطۂ نظر سے لکھی گئی ہے۔ امید ہے کہ شیعہ اور سنی دونوں حلقوں میں مقبول ہوگی۔"

روزنامہ اخبار سرفراز لکھنؤ

"اس کتاب کو مولانا رازق الخیری نے بڑی دلآویز اور نہایت اور دلی کی ٹکسالی زبان میں تحریر فرمایا ہے۔ واقعات کو بڑے دلچسپ اور دلپسند عنوان سے لکھا ہے۔ اختصار کے ساتھ اس قدر جامع عنوان سے خشک سے خشک تاریخی مضمون کو اتنا دلچسپ بنا کر اس کتاب میں جگہ دی ہے کہ انشاپردازی کا ایک معجزہ ساری کتاب ہوگئی ہے۔ حضرت زینب کی زندگی اور کربلا اور اس کے بعد کے واقعات جن کا تعلق حضرت زینب کے مخصوص کارنامے سے ہے جس نے امام حسین کی شہادت کے جوہر چمکا دئے۔ ان کے بیان کے لئے رازق الخیری ہی کی زبان اور قلم کی ضرورت تھی۔"

ملنے کا پتہ:- عصمت بک ڈپو کوچہ چیلاں دہلی

بزمِ عصمت

(۱) بزمِ عصمت میں صرف وہی خطوط درج کئے جاتے ہیں جن میں خریداری نمبر کا حوالہ ہو (۲) خط بہت مختصر ہو۔ (۳) وہی استفسار نہ ہو جس کے جواب عصمت میں پہلے شائع ہو چکے ہیں۔ (۴) رسالے کے انتظامی امور یا مضامین کے بارہ میں کوئی بات نہ ہو۔ علیحدہ کاغذ پر روشن سیاہی سے لکھا ہوا ہو۔

ایڈیٹر

میری ماموں زاد بہن اور عصمت کی نومشق مضمون نگار حلیمہ بیگم زیب بنت خان بہادر حاجی عبدالحکیم خان مرحوم ریٹائرڈ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس پشاور کی شادی خانہ آبادی لفٹنٹ محمد شفیع خاں خلف خان بہادر جمعہ خاں مرحوم اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر سے بخیر و خوبی مورخہ ۱۰ مارچ ۱۹۴۵ء بمقام پشاور سر انجام پائی۔ دعا ہے کہ مالکِ حقیقی اس جوڑے کو صحت و سلامتی کے ساتھ ہمیشہ خوش و خورسند رکھے۔ آمین۔ اس خوشی میں دو روپیہ کی حقیر رقم نادار فنڈ کے لئے ارسال کرتی ہوں۔

امتیاز سمیع الدین بی اے ایبٹ آباد　　خریدار ۱۲۷۹

میں نہایت مسرت کے ساتھ یہ اطلاع دیتی ہوں کہ میرے عزیز دلبور مسٹر اے۔ ایف کلیم اللہ ایم اے، لکچرار اسلامیہ کالج کلکتہ اور ریسرچ اسکالر کلکتہ یونیورسٹی کا انتخاب اور تقرر بی۔ بی سی لندن کے سلسلہ میں حکومتِ ہند کی طرف سے نہایت نمایاں طور پر اور کامیابی کے ساتھ ہوا۔ چنانچہ عزیز موصوف ماہ جنوری میں لندن روانہ ہو گئے اور اب ماشاء اللہ لندن میں بیٹھ کر روزانہ ٹھیک آٹھ بجے شب کو میٹر ۱۹۔ اور ۲۵ سے اپنے اہلِ وطن کے تئیں ہندوستانی پروگرام سنایا کرتے ہیں۔

اِس خوشی میں مبلغ تین روپیہ عصمت کے نادار فنڈ کے لئے بھیجتی ہوں امید کہ یہ حقیر رقم قبول کر لی جائے گی۔

ایس۔ کے صغرا سبزواری کلکتہ　　خریدار ۳۱۱۲

پچھلے دنوں ہم لوگ جنوسر سے وطن گئے تھے تو چوروں نے ہمارے مکان کا قفل توڑ کر اندر جانے کی کوشش کی مگر اتفاق سے ہمارے پڑوسی مسٹر گلاب میاں ملک جاگ اٹھے اور چور اُن کے شور و غل سے فرار ہو گئے۔ اور خدا کے فضل و کرم سے کچھ نقصان نہیں ہوا۔ اس خوشی میں نادار فنڈ کے لئے دو روپیہ کی ناچیز رقم ارسال خدمت ہے۔

مسز محمدی بیگم محمد عبدالسلام قریشی جنوسر گجرات　　۵۳۹۰

میں نہایت مسرت کے ساتھ یہ خبر لکھتی ہوں کہ خدائے پاک نے اپنے کرم سے ۲۵ تاریخ جنوری ۱۹۴۵ء کو مجھے ایک چاند سا بھتیجا عنایت فرمایا ہے۔ بہنیں دعا فرمائیں کہ خدائے تعالیٰ ماں باپ کے زیرِ سایہ اسے پرورش کرائے۔ اور اسے اقبال مند کرے۔

اِس خوشی میں دو روپیہ کی حقیر رقم نادار فنڈ کے لئے بھیج رہی ہوں۔

الماس بیگم کلکتہ

ربِ دوجہاں نے اپنے کرم سے ۸ فروری ۱۹۴۵ء کو مجھے چاند سا بھتیجا عنایت فرمایا۔ میری پیاری بہنیں دعا کریں کہ اللہ میرے بھتیجے کو عمرِ خضر اور بختِ سکندر عطا فرمائے (آمین)

عائشہ بیگم۔ کٹنی　　خریدار ۶۹۸۶

محترمہ بہن عابدہ معین کی خدمت میں عرض ہے کہ یو پی گورنمنٹ پولٹری فارم لکھنؤ سے ہر قسم کی مرغیاں انڈے مل سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں اُن کی پیدائش معالجہ اور تربیت کی کتابیں بھی ملتی ہیں۔

سرور جہاں الہ آباد　　خریدار ۸۸۳۶

میں نہایت مسرت سے خواہرانِ عصمت کو یہ اطلاع دیتی ہوں کہ میری دونوں لڑکیاں عزیز رضیہ سلطانہ و سائرہ بیگم نے ادیب عالم کا امتحان صرف تین ماہ تیاری کر کے اعلیٰ نمبروں میں پاس کیا ہے۔ اس خوشی میں اپنے پیارے عصمت کو ایک خریدار پیش کرتی ہوں۔

ایف۔ بی بنت بابو احمد دین صاحب سوہدروی　　خریدار ۲۲۴

میں انتہائی مسرت و شادمانی کے ساتھ بہنوں کو خوشخبری سناتی ہوں کہ میری چھوٹی بہن عاصمہ سلطانہ عصمت کی شادی جناب سجاد حیدر صاحب کے صاحبزادے جناب سید مصطفیٰ حیدر صاحب ایم اے آنرز کے ساتھ ۹ دسمبر ۱۹۴۴ء کی شام کو ۵ بجے بمقام لکھنؤ بحسن و خوبی انجام پائی۔

افسوس ہے کہ محترمہ نذر سجاد حیدر صاحبہ بوجہ اپنی علالت کے

فلم سٹاروں کی طرح اپنی جلد کی حفاظت کیجئے
لیلا ڈیسائی
"حسن کی برقراری کے لئے میں نے برسوں سے ایک آسان اور زود اثر طریقہ پر عمل کیا ہے"۔ یہ قول "لیلا" کا ہے۔ اور وہ طریقہ لکس ٹائلیٹ صابن کا باقاعدہ اور موزوں استعمال ہے۔ اس حسن افزا صابن کی صاف کرنیوالی جھاگ اگر جلد پر تھپکی جائے اور اس کے بعد اچھی طرح دھوڈالی جائے تو اس سے جلد صاف، ریشم کی طرح ملائم، اور نازک وخوشبودار ہو جاتی ہے۔
لکس ٹائلیٹ صابن
LUX
TOILET SOAP
LEVER BROTHERS (INDIA) LIMITED

اس شادی میں شریک نہ ہوسکیں بہنیں دعا کریں کہ خدائے تعالیٰ دونوں کو درازی عمر کے ساتھ خوش اور مطمئن رکھے اور ان کی ازدواجی زندگی ایک دوسرے کے لئے باعث مسرت ثابت ہو۔ آمین۔

رابعہ سلطانہ نسرین خریدار نمبر ۴۰۷۷

"عصمت" دسمبر کے پرچہ میں بہن صفدری خاتون صاحبہ نے انڈ خربوزہ یا پپیتہ کا ذکر کیا تھا چونکہ یہاں یعنی جنوبی ہندوستان کی اُردو زبان بہ نسبت شمالی ہندوستان کے بہت مختلف ہے۔ میوہ اور ترکاریوں کے نام بھی یہاں کچھ کچھ بدلے ہوئے ہیں اسلئے اکثر سمجھنے میں دشواری ہوتی ہے۔ آپنے جو پھل کا ذکر تحریر فرمایا تھا ویسا ہی ایک پھل یہاں ہوتا ہے جس کو یہاں پپیتہ کہتے ہیں جو جنوبی ہندوستان میں کثرت سے پایا جاتا ہے نہیں معلوم انڈ خربوزہ کس کو کہتے ہیں۔ عصمتی بہنوں سے میری یہ درخواست ہے کہ جب کبھی کوئی پھل یا ترکاری کا بیان ہو تو ازراہ مہربانی اردو کے نام کے ساتھ ساتھ انگریزی میں اُس نام ضرور ہو۔

بیگم معین الدین از منڈیہ (میسور اسٹیٹ)

اُن بہنوں سے جنہیں تعلیمی ذوق ہے لکھنے کا شوق ہے مگر مناسب انتظام نہ ہونے کے باعث مجبور ہیں، عرض ہے کہ ایک مصیبت زدہ بزرگ جو ایک ہفتہ وار اخبار کے اڈیٹر تھے کاغذ کی نایابی اور قحط بنگال کے المناک حادثہ کے باعث سخت مشکل میں ہیں۔ وہ مضامین اور افسانہ کی اصلاح کا کام کرتے ہیں۔ صاحب ذوق بہن مندرجہ ذیل پتہ پر مضامین و افسانے بھیج کر اصلاح کرا سکتی ہیں۔ اُجرت کا فیصلہ بذریعہ خط و کتابت طے کیجئے۔ پتہ: محمد عطاء الرب ایڈیٹر درویش محلہ حاجی گنج ڈاکخانہ پٹنہ سیٹی (صوبہ بہار)

رضیہ رشید بہادلنگر

فروری ۱۹۴۵ء کے پرچہ میں بھائی نصیر الدین ہاشمی کا مضمون بعنوان "خواتین حیدر آباد کی کھانے پکانے میں دلچسپی" کو پڑھتے ہوئے جب میری نظر اس پر آئی کہ "میری والدہ بھی مدراس کے شیریں و نمکین کھانے تیار کرنے میں ید طولیٰ رکھتی ہیں" تو فوراً دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ ایسی نایاب جنس دل سے ہر عصمتی بہن کو فیضیاب ہونا لازمی امر ہے۔ اس لئے بھائی نصیر الدین کی خدمت میں التماس ہے کہ آیندہ ہر ماہ کے پرچہ میں ایک مضمون [illegible] [illegible] قسم کے کھانے تیار کرنے کی صحیح ترکیبیں ہوں (جو کہ آپ اپنی والدہ سے دریافت کر سکتے ہیں) قلمبند کرکے شائع فرما کر ممنون فرمائیں۔

بیگم انعام انصاری خریدار نمبر ۴۸۴۵

میری ایک بہن کے تمام چہرے پر نہ معلوم کسی کریم وغیرہ کے استعمال سے روئیں پیدا ہوگئے ہیں خصوصاً ٹھوڑی اور پیشانی پر تو بہت زیادہ ہیں۔ جو پہلے تو نرم رواں جیسے ہی تھے مگر اب سخت بالوں کی صورت میں ہوگئے ہیں۔ براہ مہربانی کوئی بہن یا بھائی ایسا آزمودہ نسخہ بتائیں کہ جس کے استعمال سے ان سے ہمیشہ کے لئے نجات ہو جائے۔ مگر خیال رہے کہ نسخہ ایسا ہو کہ جو آسانی سے مہیا ہو سکے۔ اور بہت جلدی فائدہ ہو۔ اور جس کے استعمال سے چہرہ کی رنگت وغیرہ میں کسی قسم کا بگاڑ پیدا نہ ہو۔ اس سے پیشتر کئی دفعہ کئی بہنوں نے اس چیز کے لئے استفسار کیا مگر جواب کبھی نہ ملا۔ اب اس طرف جلدی توجہ کی جائے۔ تاعمر مشکور رہوں گی۔

خریدار نمبر ۴۵۱۴

مجھے عمدہ پنیر بنانے کی ترکیب مطلوب ہے اور حلوا سوہن کی صحیح ترکیب بھی۔ کوئی بزم عصمت کے بہن یا بھائی لکھ بھیجیں تو ممنون ہونگی۔

مسز بدر الدین حسین خریداری نمبر ۵۲۴۷

کسی بہن کو گاجر حلوا دہلوی کے بنانے کی ترکیب معلوم ہو تو شائع کریں۔

خریداری نمبر ۷۹۶۵

تفسیر القرآن کس مصنف کی سب سے اچھی اُردو زبان میں ہے تاکہ پڑھ کر احکام خدا اچھی طرح سمجھے جاسکیں۔ اُمید ہے کہ عصمتی بھائی بہن اس پر توجہ دیں گے۔

خریدار نمبر ۶۷۳۵

اگر کسی بہن یا بھائی کو ایسی کتاب کا پتہ معلوم ہو جس میں انگریزی کھانے پکانے کی ترکیبیں درج ہوں تو مطلع فرمایئے۔ کتاب خواہ اُردو میں ہو خواہ انگریزی میں۔

نور محل خریدار نمبر ۷۰۹۳

سات سال کا عرصہ ہوا میں بہت دُبلی تھی میرے والد نے مجھ کو سونے کا کشتہ کھلا دیا۔ منقہ میں۔ میں نے صرف پانچ دانے کھائے تھے کہ میرے دانے نکلنا شروع ہوگئے پھر کشتہ نہیں کھایا لیکن دانے میرے تمام جسم پر نکل آئے۔ اور پک گئے۔ ڈاکٹر اور حکیموں کا علاج کیا۔ شاہترہ چرائتہ منڈی اور نیم استعمال کیا۔ مگر اس سے صرف اتنا فائدہ ہوا کہ پکنا بند ہوگئے۔ بالکل نہیں گئے۔ دو سال سے نیم میتی تھی مگر اس

سال اس وجہ سے نہیں بیا کہ میری صحت خراب ہوگئی ہے اور نشو
بھی کم ہوگیا ہے۔ (کشتہ کھانے کے بعد ۱۹۳۹ء سے ۱۹۴۲ء تک
میری صحت اچھی رہی۔ موٹی بھی ہوگئی تھی لیکن دانے موجود تھے)
برسات میں زور ہوجاتا ہے۔ براہ مہربانی کوئی بہن یا بھائی اس
طرف توجہ مبذول فرمائیں۔ عقیلہ بانو

مجھے قد لمبا کرنے کا بہت شوق ہے اور آج کل بہت تھوڑی
بہت ورزش بھی کرتی ہوں اس لئے کوئی بہن یا بھائی مجھے کسی نسخہ
یا دوائی کا نام بتائیں جس سے قد جلدی لمبا ہو جائے۔ مشکور ہونگی۔
فرخندہ اختر

میری صحت بچپن ہی سے کمزور ہے لیکن تقریباً ۲ سال سے
دن بدن اَور کمزور ہو رہی ہے۔ رنگ سفید اور زردی مائل ہوتا جا رہا ہے
کوئی شکایت بھی نہیں۔ بدپرہیزی کرنے کے باوجود زکام یا دردِ سر کی
بھی شکایت نہیں ہوتی۔ ڈاکٹروں کو دکھلایا جاتا ہے تو کہہ دیتے ہیں
کہ "خوب کھاؤ"۔ کیلشیم اور کئی ٹانک عرصہ سے استعمال کر رہی ہوں
لیکن خاطر خواہ فائدہ نہیں۔ وزن وہی ہے جو چار سال پہلے تھا۔ عمر
۱۸ سال ہے اور وزن ۸۴ پونڈ۔ لہٰذا کوئی بہن یا بھائی ایسا نسخہ بتائیں
جس سے خون پیدا ہو۔ اور وزن بڑھے۔ ممنون ہوں گی۔
رابعہ عزیز نسرین خریدار ۷۷۰۴

میں نے سنا ہے کہ جب بال کی نوک پر کئی شاخیں نکل آتی ہیں تو اس کے
بعد بال نہیں بڑھتا کیا یہ سچ ہے؟ میری چھوٹی بہن کے بال بھی چھوٹے
ہیں اور نوک پر کئی شاخیں بھی نکل آئی ہیں۔ عصمتی بہنوں سے استدعا ہے کہ
ایسی حالت میں کوئی آسان آزمودہ نسخہ بذریعہ عصمت تحریر فرمائیں کہ بال
بدستور بڑھنے لگیں۔ نیز چہرہ کے دانوں کے لئے بھی کوئی آزمودہ نسخہ
تحریر کریں ممنون و مشکور ہوں گی۔ دانے جاڑے گرمی ہمیشہ رہتے ہیں۔
جمیلہ خاتون اعظم گڈہ خریدار ۸۴۸۴

مجھے اس سلام کی ضرورت ہے جس کا ابتدائی مصرعہ یہ ہے
"السّلام اے شاہ بطحیٰ السّلام" اگر کسی بہن کے پاس یہ سلام
ہو تو بذریعہ عصمت بھیجکر ممنون کریں۔ آنسہ عطیہ ثانی خریدار ۱۳۱۹

دھوبی کے ہاتھوں کپڑوں کا پھر ستیاناس!

جبکہ کپڑوں کی گرانی کا یہ حال ہے۔

جی ہاں اس طرح دھوبی آپ کو تباہ کر دے گا اگر آپ اسے ایسا کرنے دیں گے۔ ذرا سوچئے تو کہ موجودہ قیمتوں کے حساب سے کتنا خرچ ہوگا۔ اگر وہ پھاڑ ناجائے اور آپ دوبارہ بنواتے جائیں۔ اب زیادہ عرصے تک آپ کو اس کا یہ تباہ کن طریقہ برداشت نہ کرنا چاہیے۔ یہ محض مضر ہی نہیں بلکہ غیر ضروری بھی ہے۔ پوشاک اور گھر پلو استعمال کے کپڑے بغیر کسی قسم کے نقصان کے اندیشہ کے سنلائٹ صابن اور بچت کے اعلیٰ طریقہ سے دھوئے جا سکتے ہیں۔ یہ ایک آسان طریقہ ہے، اس میں پٹخنے کی ضرورت نہ سختی سے رگڑنے کی۔ خود بخود صاف کرنے والا سنلائٹ صابن کا جھاگ بآسانی میل مٹی کو خارج کر دیگا اور دھوبی سے کہیں زیادہ یہ کپڑے صاف اور اُجلے نظر آئیں گے اور طرّہ یہ کہ کپڑے کے ایک دھاگے تک کو بھی نقصان نہیں پہنچے گا مندرجۂ ذیل سہل طریقہ اپنے ملازم کو سمجھا دیجئے اور گھر ہی پر ہر چیز سنلائٹ سے دھو کر کپڑوں اور روپے کی بچت کیجئے۔

اپنے نوکر کو سنلائٹ صابن اور بچت کا طریقہ سکھائیے

سنلائٹ صابن کپڑوں کی حفاظت کرتا ہے

LEVER BROTHERS (INDIA) LIMITED